حسین نوشہ توحید بلخی

حیات اور کارنامے

ڈاکٹر شاکر خلیق

حسین نوشہ توحید بلخیؒ

حیات اور کارنامے

ڈاکٹر شاکر خلیق

طبع اول : ۱۹۹۳ء

تعداد : ۶۰۰

خوشنویس : افروز عالم

مطبع : حمیدیہ برقی پریس لہیریاسرائے

قیمت : ۱۰۰ روپے

ناشر : ڈاکٹر شاکر خلیق

تقسیم کار :

۱۔ دارالمطالعہ شش برادران، نزد محمد آباد، دربھنگہ

۲۔ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۴

۳۔ ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومت اترپردیش، لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

انتساب

ع حمدِ خدا ہے نعتِ رسولؐ عربی ہے

والد ماجد الحاج عبد الخالق خلیق رحمۃ اللہ علیہ

اور

والدہ ماجدہ محجن بی بی صفیہ خاتون کی خدمت میں
جن کی تربیت اور دعاؤں نے کارزار حیات میں ہر قدم پر رہنمائی کی۔

بھائیوں اور بہنوں کے لئے
جن کی بے لوث محبت نے ثابت قدمی کی نعمت بخشی

شریک حیات اور گھر کے تمام بچوں کے نام
جن کے تعاون کے بغیر یہ کام ممکن نہ تھا۔

ترتیب

پیش لفظ

زمانہ قدیم سے ہی صوبہ بہار اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ یہ سرزمین ارباب فکر و فن بھی پیدا کرتی رہی ہے اور صاحب سیف و قلم بھی۔ اس صوبے نے ہر دور میں زندگی کے تمام شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ فلسفہ، تصوف، سیاست، حکومت اور علم و عرفان پر امکانات کے کتنے دروازے وا کئے ہیں اس سرزمین نے اس سے مجھے بحث نہیں۔ تاہم یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شیرشاہ اور اشوک جیسا بادشاہ، گوتم بدھ اور مہاویر جیسا مہاپرش، جنک اور جاگیولک جیسا مفکر، بیدل، راسخ اور شاد جیسا شاعر، مخدوم الملک اور مظفر بلخی جیسا صوفی ہندوستان کے دیگر خطوں نے بہت کم پیدا کئے۔

زندگی کے دیگر شعبوں سے قطع نظر صوبہ بہار زمانہ دراز سے ہی تصوف کا گہوارہ رہا ہے۔ تاریخی دور میں بدھ مت کے بانی مہاتما گوتم بدھ اور جین دھرم کے مہاویر آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں

ان مہاتماؤں کے پیرو آج بھی ہند و بیرون ہند میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرزمین متصوفانہ واقع ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ہر دور میں یہاں کی خاک سے ایسے ایسے برگزیدہ بزرگان زماں پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی ذات خدمت خلق کے لئے وقف کردی اور عرقِ پیشانی گیتی کو گہر کرتے رہے۔

ہندوستان میں جب مذہب اسلام داخل ہوا تو بہار تک پہنچنے میں اسے بہت دیر نہ لگی۔ چھٹی صدی ہجری میں بہار کے اطراف وجوانب میں یہ مذہب بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ ابتدا میں فاتحین نے جو کچھ کیا مجھے اس سے بحث نہیں مگر بعد میں صوفیوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ کے روشن اور تابناک باب ہیں۔

بہار میں صوفیوں کے کئی طبقے سرگرم عمل رہے جن میں سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ سہروردیہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ فردوسیہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی سلسلۂ شطاریہ اور نقشبندیہ کا پتہ چلتا ہے۔ سب سے ممتاز صوفی خاندان حضرت تاج فقیہہ کا تھا جو ۵۷۶ھ میں بہار کے ایک قصبہ منیر متصل پٹنہ آکر مقیم ہوا۔ آپ کے نبیرہ میں حضرت مخدوم احمد یحییٰ منیریؒ تھے جو حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ کا وصال سنہ ۶۹۰ھ میں ہوا لفظ "مخدوم" مادہ تاریخ وصال ہے۔ آپ کے فرزند حضرت

مخدوم الملک شرف الدین بہاری تھے۔

حضرت شرف الدین بہاری عام طور پر مخدوم الملک کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۶۶۱ھ میں ہوئی لفظ "شرف آگیں" مادہ تاریخ ولادت ہے اور وفات ۷۸۲ھ میں ہوئی۔ لفظ "پر شرف" سے وصال کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ظاہری تعلیم کی تکمیل سونار گاؤں (بنگال) میں ہوئی۔ تلاش پیر میں دہلی آئے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں باریابی ہوئی۔ مگر آپ نے بیعت نہ لی اور یہ کہہ کر رخصت کیا کہ

"ایں شاہین نصیب دام مانیست"

چونکہ مشیت کو یہ منظور تھا کہ آپ سلسلۂ فردوسیہ میں منسلک ہوں اس لئے حضرت نجیب الدین فردوسیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا اور بہت جلد سعادت خلافت سے بہرہ اندوز ہو کر رخصت ہوگئے۔

حضرت مخدوم الملک کے فیض کا سرچشمہ صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہند و بیرون ہند میں دور دراز تک پھیلا۔ اپنے ملفوظات و مکتوبات کے ذریعہ آپ نے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ قائم کیا اس کا سلسلہ بلخی خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔

آپ کے خلیفہ حضرت مظفر شمس بلخیؒ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ آپ صوفی صافی بزرگ، شاعر اور صاحب وجد و حال تھے۔ آپ کی شاعری سے آپ کے روحانی جذبات اور وجدانی تفکرات

کا پتا چلتا ہے۔ آپ کے مکتوبات کا ایک بڑا مجموعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیر و مرشد ہی کی طرح مکتوبات کے ذریعہ دور دراز کے حلقہ بگوشوں کو روحانی فیض پہنچاتے رہے۔

یہی فیض منتقل ہو کر آپ کے برادر زادہ حضرت حسین نوشہ توحید تک پہنچا جنہوں نے اپنے عم محترم کے نقش قدم پر چل کر وہ روحانی شمع جو حضرت مخدوم الملک نے جلائی تھی اس کو روشن اور تابناک رکھا۔ یہ فیض نوشہ توحید کو نہ صرف اپنے عم محترم ہی سے ملا بلکہ آپ براہ راست حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاریؒ کے دامن تربیت سے وابستہ رہے۔ آپ کی خانقاہ مرکز علم و ہدایت تھی۔ دور دور سے لوگ آکر آپ سے فیض حاصل کرتے۔ آپ نے مولانا مظفر کے ساتھ عرصہ تک سر زمین عرب میں رہ کر وہاں سے بھی فیضان حاصل کئے آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اخبار الاخیار میں حضرت محدث دہلوی نے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنی مجلسوں میں اپنے عقیدت مندوں کو روحانی تعلیم اور طریقت کی راہ پر چلنے کا گر سکھلاتے اور اپنے جذبات و خیالات کو نہ صرف نثر بلکہ نظم میں بھی ادا ادا فرماتے۔

صفحات آئندہ میں آپ کی تصانیف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ صرف اتنا بتلا دینا کافی ہے کہ شاعری کی ہر صنف پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ غزلوں میں وہی سرشاری و سرمستی ہے جو حافظ

کا طرۂ امتیاز ہے، وہی سادگی اور برشتگی ہے جو سعدی کا شیوہ تھا، وہی والہانہ جذبات و احساسات اور پیر و مرشد سے شیفتگی کا اظہار ہے جو خسرو کا وطیرہ تھا۔ نہ صرف غزلیں بلکہ قطعات و رباعیات میں بھی آپ کا وہی رنگ ہے۔ تصوف، فلسفہ و حکمت، توحید، وحدت وجود وغیرہ جیسے اہم مسائل آپ اشعار کے ذریعہ نہایت جذب و کیف اور سرشاری سے قلمبند فرماتے اور قارئین کے دلوں کو گرماتے ہیں۔

رومی کی مثنوی کو پہلوی زبان کا قرآن کہا گیا ہے۔ آپ نے اسی بحر اور اسی نہج پر فارسی میں ایک طویل مثنوی بنام "انتخار حسینی" لکھی ہے جو مثنوی "جہاد درویش" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس مثنوی میں وہی حقائق و معارف ہیں، وہی تعلیمات و ارشادات ہیں جو مثنوی معنوی کے موضوعات ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ طول و طویل مثنوی جس میں اسرار تصوف اور رموز شریعت و طریقت نہایت بلند آہنگی اور ژرف نگاہی سے بیان کئے گئے ہیں اب تک نہ صرف عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی بلکہ حال تک کے مصنفین بھی اس کے وجود سے بے خبر تھے۔

الغرض حضرت حسین نوشہ توحید کی حیثیت بڑی جامع اور مانع تھی۔ وہ بیک وقت صوفی باصفا بھی تھے اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بھی۔ شاعر نغزہ بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ عربی و فارسی

دونوں زبانوں پر قدرت کاملہ تھی جو ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج نوشۂ توحید کے عہد کو چھ سو سال گذر چکے مگر اب تک صحیح معنوں میں آپ کے حالات زندگی، آپ کی فیض گستری اور آپ کے آثار علمی و ادبی پر نہ کوئی تبصرہ ہوا اور نہ ان کو اجاگر کرکے منصۂ شہود پہ لانے کی کوئی سعی کی گئی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ سوائے چند خانقاہوں کے آپ کی تصانیف کا کہیں سراغ نہیں۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد چند نسخے جو راقم حروف کو مل سکے انہیں کی روشنی میں نے یہ تحقیقی مقالہ تیار کیا۔

حضرت نوشۂ توحید کی ذات گرامی اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے اس امر کی مقتضی تھی کہ آپ کی سیرت اور تصانیف پر تحقیقی مقالہ لکھا جائے۔ یہ قرض اہل علم پر عموماً اور اہل بہار پر خصوصاً تھا جس کو اس ناچیز نے حتی المقدور ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مقالہ کی ترتیب و تزئین میں جو دقتیں پیش آئیں ان کا ذکر ضروری نہیں۔ دراصل ان باتوں کا اعتراف ضروری ہے جو اس مقالہ کی کامیابی کا باعث ہیں۔ سب سے پہلے استاد محترم پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن صاحب عطا کاکوی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے ایک ایسے موضوع کا انتخاب کیا جس کا تعلق

صوبہ بہار کے اہم ترین صوفی خانوادے سے ہے۔ استاذی عطا صاحب نے تحقیق کے شروع سے اخیر تک جس مخلصانہ اور مشفقانہ سرپرستی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال اس دور میں ممکن نہیں آپ کا تبحر علمی اور حسن اخلاق دونوں راقم حروف کے لئے مشعلِ راہ اور مینار ہدایت سے کم نہیں۔ حکیم شاہ تقی حسن بلخی صاحب کا بے حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے ضرورت کے تمام قلمی نسخے (جو موجود تھے) میرے حوالہ کر دیئے جو تا دم تحریر میرے پاس ہیں۔ ان گرانقدر قلمی نسخوں کے بغیر مقالہ تیار کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان کے علاوہ ارباب خانقاہ بہار شریف اور خانقاہ منیر شریف کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ان خانقاہوں سے بلا تکلف استفادہ کیا گیا۔ نیز اراکین خدا بخش کتب خانہ مشرقی پٹنہ کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے کتابوں کی فراہمی اور ان سے استفادہ کا موقع عنایت کیا۔ ناشکری ہوگی اگر اس سلسلے میں ادارہ تحقیقات عربی و فارسی، پٹنہ کا ذکر نہ کیا جائے جس کے توسط سے حکومت بہار نے مجھے دو سال تک وظیفہ دیا۔ نہایت ناانصافی ہوگی اگر بیگم خدیجہ ولی احمد صاحبہ اور عذرا احمد ایم۔ اے کا تہہ دل سے شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ گرچہ پٹنہ میں میرے دیگر قرابت دار بھی تھے لیکن تعلیم کے سلسلے میں میرا مستقل قیام ولی منزل (دیوسٹر) میں رہا

خاص طور سے اس مقالہ کے تیار کرنے میں آپ لوگوں نے مجھے جو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی ہیں وہ موجب صد تشکر ہیں۔ اس مقالہ کے مسودہ کو تیار کرنے میں حکیم زاہد حسین صاحب فاضل شمسی نے جس تندہی اور انہماک کا مظاہرہ کیا اس کے لئے ان کا بہت بہت شکر گذار ہوں۔

ان حضرات کے علاوہ ان تمام مخلصین کا شکریہ جن کی نیک خواہشات اور نیک تمنائیں شامل حال رہیں۔

شاکر خلیق

۵ر جنوری ۱۹۹۳ء

ہندوستان میں بلجی خاندان

کی

آمد

ہندوستان میں جب تغلق خاندان حکومت کر رہا تھا اسی زمانہ میں بلخی خاندان کا ورود مسعود بلخ سے ہندوستان ہوا خدا کی وحدانیت کے یہ شیدائی پہلے دہلی آئے اور مابعد بہار کے طول و عرض میں خدا کے پیغام کو پھیلانے کے لئے بکھر گئے۔ صوبہ بہار میں یہ سلسلہ بہار شریف، سملی، فتوحہ، منیر شریف اور اس کے اطراف وجوانب میں پھیل گیا۔

بہار کے اس بلخی خانوادے کا سلسلہ حضرت مولانا شمس الدین بلخی سے ملتا ہے۔ مولانا شمس الدین بلخی آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز عالم و بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ نے مخدوم الملک حضرت شرف الدین احمد کے خالہ زاد بھائی مخدوم احمد چرم پوشؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اسی خرمن سے رشد و ہدایت کی خوشہ چینی کرتے رہے۔ مولانا مظفر شمس بلخی، مولانا معز بلخی، حضرت حسین نوشہ توحید بلخی، ان تمام بزرگان دین اور اکابرین ملت کا سلسلہ نسب آپ ہی سے ملتا ہے۔

حضرت مولانا شیخ شمس الدین بلخی دہلی میں کسی منصب پر فائز تھے۔ ایک دن کسی اہل دیوان نے کسی کی طرف کچھ اس طرح آنکھوں سے

اشارہ کیا کہ حضرت شمس الدین کو یہ بات ناگوار گذری۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیز نفاق کی علامت تھی۔ حضرت نے فیصلہ کیا کہ اس طرح کی مجلس میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ لہذا اس شغل کو ترک کر کے دہلی سے بہار کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ بہار کے قریب تشریف لائے تو حضرت احمد چرم پوش آپ کی تشریف آوری سے باخبر ہو گئے اور ہم جلیسوں سے فرمایا کہ ایک دوست آیا ہے اور سب کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ شرف ملاقات کے بعد شیخ شمس الدین آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اسی خانقاہ میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو لکھا کہ میں نے دنیا اور اس کے اسباب کو ترک کر دیا ہے۔ اگر تم کو میری موافقت منظور ہے تو مال و اسباب کو بیٹوں کے سپرد کر کے میری طرف چلی آؤ۔ اس کے بعد اہلیہ نے اپنے صاحبزادے شیخ مظفر بلخی، معز بلخی اور قمر الدین بلخی سے کہا کہ تم لوگ اسباب و املاک لے لو اور ہم تمہارے والد کے پاس جائیں گے تینوں نے چھوٹتے ہی کہا کہ والد کے پاس ہم لوگ بھی جائیں گے۔ چنانچہ ترک اسباب کر کے عازم بہار ہوئے۔[1]

حضرت مولانا شمس الدین بلخی کے صاحبزادے حضرت مولانا مظفر شمس بلخی تھے۔ آپ کے دو اور بھائی تھے جن کے اسمائے گرامی معز الدین بلخی اور قمر الدین بلخی ہیں۔[2]

---

[1] وسیلۂ شرف و ذریعۂ دولت۔ سید فرزند علی صوفی منیری ص۱۵

[2] مکتوب دہم۔ مکتوبات بست و ہشت۔ حضرت شیخ شرف احمد بہاری ؒ

دہلی سے مولانا مظفر (متوفی ۸۰۳ھ)[1] نے اپنی والدہ ماجدہ اور بھائیوں کے ساتھ صوبہ بہار کا رخ کیا۔ جب مولانا مظفر شمس بلخی بہار تشریف لائے تو آپ کے بھائی حضرت معز الدین بلخی نے اپنے والد ماجد کی تقلید کی اور حضرت چرمپوشؒ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ مولانا مظفر بلخی نے حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد بہاریؒ کی طرف رجوع کیا اور ان ہی کے دست گرفتہ ہوئے اور حضرت مخدوم کی صحبت سے اکتساب فیض کرتے رہے۔[2]

حضرت مولانا مظفر شمس بلخی کا خاندان آپ کے برادر حقیقی معز الدین بلخی کے سلسلے سے چلا۔ حضرت حسین نوشہ توحید (متوفی ۸۴۴ھ) آپ ہی کے صاحبزادے تھے اور حضرت شیخ حسن جشن دائم بلخی (متوفی ۸۵۱ھ) حضرت حسین نوشہ توحید کے فرزند تھے۔ حضرت حسن جشن دائم بلخی کے صاحبزادے شیخ احمد لنگر دریا بلخی (متوفی ۸۹۱ھ) ہوئے۔ آپ کے فرزند کا نام حضرت ابراہیم عرف سلطان تھا۔ آپ ہی حضرت لنگر دریا کے خلف وارث ہوئے۔

---

[1] بلخی خاندان میں یہ روایت چلی آتی ہے کہ آپ کی وفات ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ "بہار شرف" ہے مگر آپ کے مکتوبات کی روشنی میں یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ وفات کا سال ۸۰۳ھ ہے — دیباچہ دیوان مظفر بلخی مرتبہ پروفیسر سید حسن، شائع کردہ عربی و فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ۔

[2] کاشف الاسرار مصنفہ شیخ جشن دائم بلخی

حالات زندگی

حالاتِ زندگی نوشہ توحید بلخی قدس سرہ

"ہندوستان میں بلخی خاندان کی آمد" کے تحت میں یہ لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین نوشہ توحید کے جد امجد مولانا شمس الدین بلخی تھے۔ ایک قلمی رسالہ بنام "نسب نامۂ ابراہیم ادہم بلخی" نظر سے گذرا[1] مولف لکھتے ہیں:

مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید کے سلسلہ میں روایت ہے کہ حضرت نوشہ توحید کے جدّ کلاں میر سید سلیمان ایک نامور عالم، مرد سالک، صاحب حال تھے۔ یہ زمانہ سلطان ادہم بادشاہ بلخ کا تھا۔ ایک دن بادشاہ کے دربار میں گئے اور ایک وکیل کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ ہم نے لوح محفوظ میں دیکھا ہے کہ تمہاری لڑکی سے میری شادی ہوگی۔ اس لئے اپنی لڑکی سے میرا نکاح پڑھوائیے۔ یہ سن کر بادشاہ نے انکار کیا اور رمزاً کہا کہ میری لڑکی تو مر گئی ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو ہو ہی گا۔ یہ کلمہ زبان سے نکلتے ہی لڑکی کا سچ مچ انتقال ہو گیا۔ امیر وہاں سے اٹھے اور گھر چلے آئے۔ دختر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت اسی رات قبر پر گئے اور دعا فرمائی کہ اے زندہ کرنے والے اگر تو نے اس لڑکی کو

---

[1] نسب نامۂ ابراہیم ادہم بلخی۔ مولف عبد اللہ معروف بہ محمد

میرے نصیب میں لکھا ہے تو اسے زندہ کر دے۔ چشم زدن میں قبر میں
شگاف پیدا ہوا اور لڑکی باہر نکل آئی۔ حضرت نے گھر لاکر اس سے نکاح
کر لیا۔ ایک سال بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ جب میاں
ابراہیم چار سال کے ہوئے تو ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے۔ اتفاقاً
ایک روز اس لڑکی کی دایہ ادھر سے گذر رہی تھی۔ ابراہیم کو دیکھ کر پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگی۔ امیر نے پوچھا کیوں روتی ہے۔ دایہ نے جواب دیا کہ
اسی شکل و صورت کی بادشاہ کی لڑکی تھی۔ اس کی شکل یاد آگئی۔ اس لئے
روتی ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ اندر جاکر دیکھو۔ دایہ اندر گئی۔ لڑکی کو پہچانا
اور رونے لگی اور پوچھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ تو لڑکی نے فرمایا کہ مجھ کو
کچھ خبر نہیں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں ایک پلنگ پر سوئی ہوئی تھی۔ امیر
نے مجھ کو آواز دی۔ میں اٹھ بیٹھی۔ یہ مجھے گھر لے آئے اور نکاح کر لیا۔ اس
دایہ نے بادشاہ کے پاس جاکر سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ خوش ہوئے اور
لڑکی اور داماد کو اپنے گھر بلایا اور ساتھ ہی رکھا۔ چونکہ سلطان ادہم کو
کوئی لڑکا نہ تھا، صرف ایک لڑکی اور ایک نواسہ تھا اس لئے جب یہ لڑکا
(ابراہیم) سن بلوغ کو پہنچا اور سلطان ادہم کے مرنے کا وقت قریب آیا
تو تاجِ شاہی اس کے سر پر رکھ دیا گیا اور سلطان چل بسے۔ سلطان ابراہیم
اپنے جد فاسد کے لقب پر سلطان ادہم مشہور ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد خدا
کی طلب میں سلطنت چھوڑ کر حرم شریف چلے گئے۔ اسی اثناء میں ان کے
غائبانہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلطان محمود رکھا گیا۔ جب یہ

سیانے ہوئے تو ماں سے پوچھا کہ میرے والد کہاں ہیں۔ ماں نے جواب دیا کہ مکہ معظمہ میں ہیں۔ اپنے والد سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ اپنی جگہ پر اپنے بیٹے کو تخت پر بیٹھا کر مکہ معظمہ گئے۔ والد سے ملے۔ جیسے ہی بغل گیر ہوئے غیب سے آواز آئی کہ اے ابراہیم تم مجھ کو دوست رکھتے ہو یا ان کو (اشارہ بیٹے کی طرف ہے) ابراہیم نے جواب دیا کہ تم کو دوست رکھتا ہوں۔ صاحبزادے باپ کے بغل ہی میں تھے کہ جاں بحق ہو گئے۔

درج بالا حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوشہ توحید کا سلسلۂ نسب سلطان ابراہیم ادہم بلخی سے جا ملتا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کس طرح آپ کے جد امجد مولانا شمس الدین' دہلی سے بہار کی طرف اپنے پیر کی تلاش میں چلے آئے۔ بعد میں حضرت مولانا مظفر شمس بلخی' جو آپ کے بڑے چچا تھے' کی قیادت میں آپ کی دادی آپ کے والد حضرت معز الدین بلخی اور آپ کے چھوٹے چچا قمر الدین بلخی دہلی سے بہار کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بات بھی ابتدا میں آ چکی ہے کہ مولانا شمس الدین حضرت مخدوم چرم پوش سے مرید ہوئے جو مخدوم الملک کے خالہ زاد بھائی تھے اور اپنے والد کی قیادت میں حضرت معز الدین بلخی بھی حضرت مخدوم چرم پوش سے ہی دست گرفتہ ہوئے۔ لیکن حضرت مظفر شمس بلخی نے مخدوم الملک کی طرف رجوع کیا اور ان ہی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ چونکہ حضرت مظفر شمس بلخی کو کوئی اولاد نہ تھی اس لئے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت نوشہ توحید ہی سے چلا جو آپ کی اولاد معنوی تھے۔

مخدوم مظفر بلخی مخدوم الملک کے چہیتے مرید اور خلیفہ تھے۔

مخدوم الملک نے آپ ہی کے بارے میں ایک موقع پر "تن شرف الدین جان مظفر، جان شرف الدین تن مظفر، مظفر شرف الدین، شرف الدین مظفر" جیسا محبت سے بھرا جملہ فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مظفر بلخی کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے[1]

"مولانا مظفر بن سلطان شمس الدین بن سید علی بن سید حمیدالدین بن سید سراج الدین بن سید بزرگ بن سید محمود بن سلطان ابراہیم بن سید ادہم بن سید سلیمان بن سید ناصر الدین بن محمد یعقوب بن احمد بن اسحاق بن زین بن محمد بن قاسم بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید کربلا بن شاہ مردان علی مرتضی کرم اللہ وجہہ"۔

مولانا مظفر جب اپنے والد کی اجازت کے بعد حضرت مخدوم الملک سے بیعت ہوئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ علمی مشکلات کے بارے میں اپنی تشفی چاہی۔ مخدوم الملک نے ان کے جواب دئیے۔ مولانا مظفر کو اپنی ظاہری علم دانی کا احساس تھا اور اکثر و بیشتر مشائخ سے بحث کے دوران الجھ چکے تھے۔ حضرت مخدوم الملک سے کبھی گرم گفتار ہوئے اور "لانسلم" کی ضد لگا دی۔ لیکن بارش کا قطرہ سمندر پر کتنا ضرب لگا سکتا تھا۔ حضرت مخدوم الملک کی توجہ اور انداز گفتگو سے ایسا متاثر ہوئے کہ قدم پکڑ لیا اور اپنی گرم گفتاری پر پشیمان ہوئے حضرت مخدوم الملک

---

[1] مطلوب المبارک رسالہ مولانا شیخ آمون و ذریعہ دولت تصنیف فرزند علی صوفی منیری (قلمی نسخہ پھلواری شریف)

ان کے ساتھ ملاطفت اور شفقت سے پیش آئے۔ مخدوم الملک نے فرمایا کہ مولانا راہ طریقت کی مشغولی بغیر علم کے نہیں ہوتی اور آپ نے اس وقت تک جو علم حاصل کیا ہے وہ جاہ اور نفس پروری کے لئے پڑھا ہے۔ اب خلوص نیت سے اللہ کے واسطے پھر علم پڑھئے تاکہ ترقی سلوک کا سبب ہو۔ اپنے مرشد کے حسب الحکم حضرت مولانا فوراً طلب علم کی غرض سے دہلی روانہ ہو گئے اور دو سال تک وہاں خالصتہً للہ حصول علم میں مشغول رہے۔ سلطان فیروز نے ان کی علمیت اور اخلاق کی شہرت سن کر ایک کوشک میں درس و تدریس کی خدمت سپرد کی۔ کچھ دن وہاں رہے ہوں گے کہ ایک دن ایک قوال کے گانے پر ایسی کیفیت ہوئی کہ بالاخانے سے نیچے کود گئے اور وہاں سے سیدھے بہار شریف اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم الملک نے ان کے نفس کو مزید کچلنے کے لئے خانقاہ کے درویشوں کی خدمت پر انہیں مقرر کر دیا آپ اسے تندہی سے انجام دینے لگے اور فقراء چھوٹے سے چھوٹا جس کام کو کہتے بخوشی بجالاتے۔ کپڑے جسم پر تار تار ہو گئے تھے۔ آپ ان میں گرہیں ڈالتے اور اکثر مستی کے عالم میں یہ شعر پڑھتے ؎

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی

کہ التفات کسے را بروزگارم نیست

مخدوم الملک کو جب اس حال کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کی خدمات بدل دیں۔ مناقب الاصفیاء[1] میں ہے کہ حضرت مولانا مظفر بلخی اپنی بلند ہمتی

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۴۹

اور اعلیٰ حوصلگی کی بناء پر اپنے پیر و مرشد کے منظور نظر تھے۔ متاع دنیوی کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جب کچھ مال و متاع جمع ہو جاتا تو خود کھڑے ہو کر گھر کو لٹوا دیتے۔ اس طرح چالیس بار آپ نے اپنا گھر لٹوایا مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید فرماتے ہیں کہ جب آپ اپنا گھر لٹوا رہے تھے تو میں چھوٹا سا تھا۔ کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آتے تھے اور کبھی مجھ کو بھی بھول جاتے تھے۔ کوئی دوسرا آدمی ہاتھ پکڑ کر مجھے ہجوم سے باہر لاتا تھا۔ آپ عوام سے فرما دیتے کہ گھر میں جو کچھ ہے لے لو۔ اس طرح اکثر پڑھنے کی کتابیں بھی چلی جاتیں جن کو پھر حضرت حسین نوشہ توحید قیمت دے کر واپس لیتے۔ ایک مرتبہ کوئی سائل آیا۔ حضرت حسین نوشہ توحید کا بقچہ سامنے رکھا ہوا تھا آپ نے سائل کو وہی اٹھا کر دے دیا۔ دو تین دن بعد مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید کو ضرورت پڑی اور اس بقچہ کو تلاشنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں بے دیانت ہوں۔ پھر میرے پاس کیوں کوئی چیز رکھتے ہو۔ نوشہ توحید نے ادب سے فرمایا "حضرت! سعادت میری ہے، اگر مجھے بھی کسی کو بخش دیں" ؎

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ صحیح مسلم شریف کا ایک نادر نسخہ جو حضرت حسین نوشہ توحید کے مطالعہ میں برابر رہتا تھا، مولانا منظفر نے اس کو دیکھنے کے لئے نوشہ توحید سے مانگا۔ وہ کتاب مولانا کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اسی وقت ایک سائل آگیا۔ مولانا کے پاس سائل کو دینے

؎ مونس القلوب قلمی ص۵

کو اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے وہ صحیح مسلم کا نسخہ ہی اٹھا کر اسے دے دیا۔ حسین نوشہ توحید نے یہ سن کر فرمایا کہ حضرت وہ نسخہ تو آپ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا اور وہ میرے پاس آپ کی یادگار تھی۔ مولانا نے جواب دیا۔ جب میں نے دیا، تم بھی دے دو۔ بعد میں حسین نوشہ توحید نے اس سائل سے وہ نسخہ خرید لیا۔

مونس القلوب[1] میں ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک کا وصال ہوا تو مولانا مظفر بلخی عدن میں تھے۔ جب مولانا وہاں سے بہار تشریف لائے تو مخدوم جہاں کی خانقاہ میں خلافت کی بحث چل رہی تھی۔ ایک بزرگ نے مولانا سے ثبوت دریافت کیا کہ آپ کس طرح خلافت کے مستحق ہیں۔ مولانا نے فوراً حضرت نوشہ توحید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"میاں حسین جاؤ اور حضرت مخدوم الملک نے
مجھ کو اجازت نامہ خاص مرحمت فرمایا تھا وہ لے آؤ۔"

پھر کچھ توقف کے بعد آپ نے کہا:

"صاحبو! میں نے ایسا پیر نہیں کیا ہے جو مر جائے
آؤ ہم سب لوگ خود شیخ ہی سے پوچھ لیں۔ وہ جس
کو فرمائیں وہی خلیفہ ہو۔"

یہ کہہ کر وہ مزار شریف کی طرف بڑھے۔ لیکن قاضی مخدوم عالم نے فوراً روکا اور فرمایا تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ فتنہ کھڑا ہو۔ میں جانتا ہوں کہ جب یہ مزار اقدس پہ کھڑے ہو کر عرض کریں گے تو مخدوم الملک ان کو ضرور جواب دیں گے۔ یہ سن کر

---

[1] مونس القلوب مجلس ۳۱

سب نادم ہوئے اور مولانا مظفر بلخی کو بالاتفاق مسند سجادگی پر بیٹھایا۔

مناقب الاصفیاء[1] میں ہے کہ مولانا مظفر کے بھائی شیخ معز الدین کی وفات مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آخر وقت میں آپ نے مولانا معز الدین کے سرہانے کھڑے ہوکر افسردگی کے ساتھ فرمایا: ”معز الدین! مناسب تھا کہ پہلے مجھ کو جانے دیتے، اس لئے کہ میں تم سے بڑا تھا“ پھر پیراہن کا گریبان ہاتھ میں لےکر اشارہ فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان بس یہی پیراہن ہے۔ اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ عدن کے راستہ میں پیراہن مبارک پھٹ گیا۔ درزی کو اشارہ کیا کہ پیوند لگادے۔ حضرت شیخ حسین نے جو ان کے ساتھ تھے فرمایا کہ نیا کپڑا موجود ہے، اجازت ہو تو لاؤں۔ مولانا نے جواب دیا کہ وہ تم پہنو۔ پھر دستار کے لئے اصرار کیا۔ وہ بھی نہ باندھی۔ شیخ حسین نوشہ توحید نے عرض کیا کہ آپ کے جاں نثاران اس امید میں ہیں کہ آپ کی موجودگی میں ان لوگوں کو خدا بلالے تاکہ آپ ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھیں حضرت مولانا مظفر نے قبلہ رخ ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہ کرے۔

مناقب الاصفیاء[2] میں ہے کہ آپ کا انتقال عدن میں ماہ رمضان ۷۸۸ھ[3] میں ہوا۔ مرض الموت کے دوران نوشہ توحید ہمیشہ خدمت میں رہے

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۵۱

[2] ” ” ص ۱۵۲

[3] صحیح تاریخ وفات ۷۸۳ھ ملاحظہ ہو حاشیہ مقالہ ہذا۔

آخری دن آپ نے شیخ حسین نوشہ توحید کو ہر طرح کی اپنی اور اپنے پیر کی نعمت عطا فرمائی اور بہار کی مسند سجادگی پر اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اس سلسلے میں نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت حسین نوشہ توحید کی ولادت

تمام حوالوں میں متفقہ طور پر یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ آپ کی ولادت ظفر آباد، ضلع جونپور (یوپی) میں ہوئی تھی۔[1] لیکن بدقسمتی سے کسی نے بھی ولادت کی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ آپ کی وفات سنہ ۸۴۴ھ میں ہوئی ہے، یہ امر مسلم ہے۔ اس کے شواہد پر بعد میں بحث ہوگی۔ اکہتر سال تک کی عمر آپ کی اپنی تحریر سے ثابت ہوتی ہے۔[2] اگر آپ کا سال ولادت تخمیناً سنہ ۷۶۰ھ مان لیا جائے تو اس حساب سے آپ کی عمر اسّی سال کے قریب قرار پاتی ہے۔ حضرت مخدوم الملک کی وفات (سنہ ۷۸۲ھ) کے وقت آپ کی عمر بائیس ۲۲ سال کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ آپ نے حضرت مخدوم الملک کے دست مبارک پر شرف بیعت حاصل کیا۔

حضرت نوشہ توحید کی پیدائش اگر سنہ ۷۶۰ھ (تخمیناً) مان لی جائے تو یہ زمانہ فیروز شاہ تغلق کا تھا جس کا عہد سنہ ۷۵۲ھ تا سنہ ۷۹۰ھ ہے اور آپ کی

---

[1] (الف) مونس القلوب مجلس ۷۸ ص ۹۵-۲۹۴

(ب) BIHAR THROUGH THE AGES P. 454

(ج) اخبار الاخیار

(د) تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ص ۲۸۴

[2] اخبار الاخیار

وفات ۸۴۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء ہے۔ اور اس وقت خاندان سادات کے بادشاہ محمد شاہ شرقی کی حکومت تھی جس کا عہد ۸۴۲ھ تا ۸۶۲ھ مطابق ۱۴۴۰ء تا ۱۴۵۸ء ہے۔ اخبار الاخیار کے مترجم مولانا اقبال الدین نے حضرت نوشہ توحید کی ولادت اور وفات کا سال غلط تحریر کیا ہے۔ سنہ ولادت ۸۲۰ھ اور سنہ وفات ۹۰۱ھ لکھتے ہیں جو دونوں غلط ہے[1]

آپ کا نام شیخ حسین معز شمس ہے۔ نوشہ توحید کے لقب سے اس لئے مشہور ہوئے کہ آپ خدا کے توحید اور اس کی ذات وصفات میں غرق رہتے تھے۔ شیخ بدیع الدین مدار آپ کو سمندر توحید کہتے تھے[2] آپ کا تخلص بھی حسین ہے۔

حضرت حسین نوشہ توحید سلسلۂ فردوسیہ کے وہ مایہ ناز فرزند ہوئے جن پر نہ صرف تصوف کے اسرار و رموز کے انکشافات ہوئے بلکہ فلسفہ، عرفان و حکمت اور علم و عمل کے میدان میں بھی وہ بہتوں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ "ہونہار بروا کے چکنے پات" والی بات آپ پر بالکل منطبق آتی ہے۔ آپ کے اس جسد خاکی میں ورود مسعود سے قبل ہی حضرت مخدوم الملک نے شیخ مظفر بلخی سے کہہ تھا کہ: (فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے)

"تمہاری طبیعت میں شورش ہے۔ تم کو اولاد نہ ہوگی۔ مولانا معز الدین کی اولاد تمہاری اولاد کہلائے گی۔ حضرت نوشہ توحید ظفر آباد میں پیدا ہوئے اور ولادت کی خبر آنے سے پہلے ہی مخدوم الملک نے شیخ مظفر کو خبر دی

---

[1] اخبار الاخیار اردو، دار الاشاعت بندر روڈ کراچی۔ مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔ طبع اول ستمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۲

[2] رسالہ گوہرستان مملوکہ شاہ تقی حسن بلخی

کہ تم کو ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ شیخ مظفر نے فرمایا کہ میری کوئی بیوی تو نہیں لڑکا کہاں سے پیدا ہوگا[1] مخدوم الملک نے کہا کہ معز الدین کو لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور ان کی اولاد تمہاری اولاد ہے۔ اس کے بعد ظفر آباد سے خبر آئی کہ فلاں روز لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت مخدوم الملک نے پیراہن مبارک عطا کیا اور کہا کہ جب جب لڑکے کو کپڑے کی ضرورت ہو تو اسی پیراہن سے سلوا کر پہنایا جائے۔ اور اپنے دستارچہ سے ایک ٹوپی بچکانہ جو چھٹی کے روز بچہ کو پہنائی جاتی ہے سلوا کر بھیج دیا۔ اس ٹوپی کی یہ کرامت تھی کہ حضرت حسین جب جب اس ٹوپی کو پہنتے تھے تو سر پر ٹھیک آتی تھی اور جب اتار لیتے تھے تو چھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ مخدوم شیخ حسین ساری زندگی اس ٹوپی کو پہنتے رہے۔ جب حضرت حسین کا وصال ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ یہ ٹوپی سینۂ مبارک پہ رکھ دی جائے۔ ایک مرید خاص میر کوتوال نے وہ ٹوپی لے کر سر پہ پہنا دی۔ اس وقت بھی یہ ٹوپی سر پہ ٹھیک آئی"[2]

لوشہ توحید کی عظمت و مرتبت اتنی بلند و ارفع کیوں نہ ہوتی جبکہ آپ ایک طرف تو مظفر بلخی جیسے عالم و زاہد کے دامن عاطفت میں پروان چڑھے دوسری طرف خود مخدوم الملک سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور ان کے خرمن صحبت سے صغر سنی سے ہی خوشہ چینی کرتے رہے۔ حضرت مظفر بلخی

---

[1] ذریعۂ دولت صفحہ ۵ پر ہے کہ آپ کو (مظفر بلخی) جب کبھی ورد و وظائف اور یاد خدا میں اپنی بیوی کی یاد سے خلل پیدا ہوتا تو آپ بیوی کو طلاق دے دیتے۔ اس طرح آپ نے پانچ منکوحہ کو طلاق دی

[2] مونس القلوب مجلس ۷۸ (صفحہ ۹۵-۲۹۴) تحقیق وسیلہ شرف

علم و دانش کے اعتبار سے ایک جید عالم گذرے ہیں۔ نوشہ توحید کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ آپ حضرت مظفر کے سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں۔ گویا ابتدائی زندگی سے ہی آپ کے بیشتر اوقات حضرت مظفر بلخی اور مخدوم جہاں کی صحبت میں گذرے۔ ترجمہ عبارت فارسی :۔

"ایک دن حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ مولانا مظفر تم اور ہم مشقت اٹھاتے ہیں لیکن ذوق میاں حسین اٹھائیں گے۔ ایک روز مولانا مظفر حضرت مخدوم جہاں کو وضو کرا رہے تھے۔ مخدوم جہاں نے اپنی دستار مبارک اتار کر جانماز پہ رکھ دی۔ اتنے میں شیخ حسین جو ابھی کم سن ہی تھے آئے اور کھیل سے دستار اپنے سر پہ رکھ لی اور مصلے پہ کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ جب شیخ مظفر نے دیکھا تو ڈانٹا۔ مخدوم جہاں نے دیکھ کر فرمایا مولانا مظفر کیوں منع کرتے ہو، لڑکا اپنی جگہ خوب پہچانتا ہے"۔[1]

حضرت لنگر دریا سے روایت ہے کہ حضرت شیخ حسین نوشہ توحید فرماتے تھے کہ میں کم سن ہی تھا تو مخدوم مظفر مجھے تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھاتے تھے اور ثرید[2] پکوا کر رکھتے تھے۔ جب میں اٹھتا تھا مولانا مظفر فرماتے پہلے نماز پڑھ لو اس کے بعد ثرید کھاؤ۔ اس طرح مجھے تہجد کی عادت ڈالی۔[3]

آپ کو مولانا مظفر نے سند حدیث عطا کی تھی۔ مولانا مظفر

---

[1] مونس القلوب مجلس ۵۲ و وسیلہ شرف

[2] ثرید : آٹے کے ساتھ گوشت میں بنائی ہوئی کھانے کی ایک چیز

[3] مونس القلوب مجلس ۴۸ و وسیلہ شرف

بلخی لکھتے ہیں:

"فقیر حقیر مظفر شمس عامۂ مسلمانان را سلام و دعا می رساند وباز نماید، فقیہہ حسین معز شمس برادر زادہ ایں فقیر است۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ویرا اگرامی کردہ، فرزند صالح و متقی است۔ قریب چہار سال در مکہ مبارک بود۔ قرأت قرآن و شاطبی پیش شمس الدین خواری درون کعبہ کردہ قرأت سبعہ پیش شمس الدین حلوائی[۱] در مقام ابراہیم پیش در کعبہ گذشتہ و شیخ شمس الدین مذکور در عصر خود یگانہ روزگار است۔ در حلب و شام و مصر و مدینہ مصطفیٰ و مبارک در علم قرأت ویرا نظیرے نیست و جائے شیخ مجاور حرم است۔ فرزند حسین مذکور سند حدیث بریں فقیر کردہ صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ و آخرہ لفظاً و معناً بریں فقیر تحقیق کردہ۔ خدائے تعالیٰ ویرا ذہن صافی و طبیعت فیاض دادہ است۔ و سند دیگر بر خطیب عدن نیز کردہ است۔ از جہت ایں فقیر اورا در تدریس ایں علم مجاز است۔ خدائے تعالیٰ اورا نافع مسلمانان گرداند در دین ایشاں و در دنیا ایشاں۔ آمین۔"

جامع ملفوظات مونس القلوب لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت احمد لنگر دریا سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم مظفر نے کہا کہ قیامت کے روز اگر خدا کی تجلی مخدوم شرف الدین کی صورت میں ہوئی تو دیکھوں گا۔ اس کی کیا تحقیق ہے۔ حضرت لنگر دریا نے فرمایا کہ یہ روایت اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے کہ ایک روز میرے پیر مخدوم شیخ حسین کمسنی میں حضرت

---

[۱] بعض نسخوں میں علوانی مکتوب ہے

مخدوم منطفر کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ اگر قیامت کے دن خدا کی تجلی حضرت مخدوم شیخ مظفر کی صورت میں ہوتی تو دیکھوں گا ورنہ نہیں۔ جب شیخ مظفر نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ جس نے ایسا کہا اس کو چاہیئے کہ اپنے قول پر روئے۔ جب حضرت حسین نے یہ سنا تو مجلس سے اٹھ گئے اور کہیں جا کر چھپ گئے۔ ۱؎

حضرت حسین نوشہ توحید فرماتے تھے کہ ایک بار شیخ مظفر مجھ کو مولانا معین الدین عمرانی کے پاس تعلیم کے لئے لے گئے۔ اس روز بارش ہو گئی تھی۔ حضرت مظفر نے جوتا ہاتھ میں لے لیا اور وہاں پہنچے۔ مولانا معین الدین نے مذاقاً کہا کہ مولانا آپ کو پاؤں سے زیادہ اپنا جوتا عزیز ہے۔ یہ بات حضرت مظفر کو ناگوار گذری۔ جواب دیا کہ پاؤں اگر گندہ ہو جائے تو اس کو دھویا جا سکتا ہے، جوتا کو دھونا مشکل ہے۔ اور مجھ کو وہاں تعلیم پانے سے مانع آئے کہ جو شخص مجلس میں ادب گفتگو نہیں رکھتا اس کی عظمت دل میں نہیں رہتی۔ اور جب استاد کی عظمت ہی دل میں نہ رہے تو اس علم سے کیا فائدہ۔ ۲؎

حضرت نوشہ توحید کے ملفوظ گنج لایخفی کے بالاستیعاب مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ ان کے مطالعہ میں کن کن بزرگان دین اور اکابرین وقت کی کتابیں رہی تھیں، اس سے آپ کے تبحر علمی اور مذاق تصوف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر میں ان کتابوں کی فہرست پیش کر دوں تو بے محل نہ ہوگا ساتھ ساتھ ملفوظ کی ان مجلسوں کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے جن میں ان کتابوں کا

۱؎ مونس القلوب مجلس 25

۲؎ ایضاً مجلس ۴۸

تذکرہ ہے ۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	حوالہ مجلس
۱	شرح آداب المریدین	۱۶ و ۱۷
۲	تذکرۃ الاولیاء	۲۰ و ۴۲
۳	تہذیب (مناقب خواجہ حسن بصریؒ)	۲۳
۴	ہدایت الہدایت (امام غزالیؒ)	۲۵
۵	مسائل اخرویّا (امام غزالیؒ)	۳۳
۶	اوراد شیخ شہاب الدین	۳۵
۷	اوراد شیخ بہاء الدین	۳۶
۸	تفسیر عیانی	۴۰
۹	کیمیائے سعادت (امام غزالی)	۴۰
۱۰	عوارف المعارف	۴۰
۱۱	مکتوبات شیخ مخدوم الملکؒ	۴۰
۱۲	طوالع الشموس (شیخ حمید الدین)	۴۰
۱۳	رسالہ مکانیہ و زمانیہ (قاضی عین القضاتؒ)	۴۲
۱۴	ملفوظ شیخ نظام الدین	۴۲
۱۵	معدن المعانی	۴۵
۱۶	لمعہ (عراقی)	۴۵
۱۷	زبدہ (قاضی عین القضات)	۴۵

نمبر شمار	اسمائے کتب	حوالہ مجلس
۱۸	شرح عقیدہ (مظفر بلخی)	۴۶
۱۹	علم الہدیٰ (شیخ شہاب الدین)	۴۹
۲۰	کلمات مولانا احمد بہاری	۴۹
۲۱	تفسیر مدارک۔	۵۳
۲۲	تمہیدات قاضی عین القضات	۵۷ ؎

حضرت نوشہ توحید مولانا مظفر بلخی کے دست گرفتہ تھے اور مخدوم جہاں سے عرفان و توحید کے دقیق مسائل کا اکتساب کرتے تھے، یہ بات قبل آ چکی ہے کہ آپ کو ان دونوں بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھنے کا موقع ملا اور آپ ان ہی دونوں کی صحبت اور تربیت سے روحانی منازل طے کرتے رہے۔ اس امر کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے:

"شیخ حسین بن معز بلخی آنچہ مشہور است اور امرید و خلیفہ شیخ مظفر کہ عم حقیقی اوست میدانند برما از ادائی کلام او چناں ظاہر می شود کہ اورا پیوند ارادت بہ شیخ شرف الدین قدس سرہٗ دارد و تربیت و ارشاد و خلافت از از شیخ مظفر یافتہ او در اوائل حال در حضرت دین تعلیم و تعلم اشتغال داشت و بعد از جاذبۂ عنایت الہی کہ باعث بر سلوک طریقہ فقراست سفر حجاز کردہ و زیارت سید کونین صلعم مشرف شدہ و بعد از دریافت ایں سعادت کہ متضمن حصول

؎ گنج لایخفیٰ ملفوظ حضرت حسین نوشہ توحید بلخی

جمیع مقاصد است بہ وطن اصلی رجوع فرمود۔" [1]

حضرت حسین نوشہ توحید بلخی کے پیر و مرشد مولانا مظفر بلخی کا سانحہ ارتحال عدن میں ہوا۔ نوشہ توحید بھی اس سفر میں شامل تھے۔ مرض الموت کے دوران آپ ہمیشہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ آخری دن مولانا مظفر نے آپ کو اپنی اور اپنے پیر کی نصیحت فرمائی اور بہار کی مسند سجادگی پر اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اس سلسلے میں بھی نصیحت کی۔ [2]

حضرت احمد لنگر دریا فرماتے ہیں کہ حضرت حسین نوشہ توحید کے جیسا جلال و جمال اور عظمت و وقار بہت کم مشائخ اور بزرگوں کے یہاں دیکھنے میں آیا۔ ان کو روبہ رو دیکھنا مشکل کام تھا۔ وہ جب سر جھکائے رہتے یا دوسری طرف دیکھتے رہتے تو انہیں جی بھر کر دیکھا جا سکتا تھا۔ پھر آپ سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران ایک بار آدھی رات کو شیخ مظفر نے رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ مولانا مظفر آج کی رات تمہارے بھتیجے نے میرے پاس ایک ایسا تحفہ بھیجا ہے کہ کم ہی لوگوں نے بھیجا ہوگا اور پھر وہ درود شیخ مظفر کو سنائی: "اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد عدد خلقك و رضاء نفسك و زنة عرشك و مداد کلماتك۔" [3]

---

[1] اخبار الاخیار صـ ۱۳۹ و کاشف الاسرار

[2] مناقب الاصفیاء صـ ۱۵۲

[3] ۱۹۷۱ء میں جب والد ماجد الحاج مولوی عبدالخالق صاحب خلیق حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو راقم حروف نے یہ درود شریف ان کے توسط سے حضور سرور کائنات کی خدمت اقدس میں بھیجی۔

حضرت مظفر نے اسے حضور صلعم سے سن کر یاد کر لیا۔ رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے تو ایک حسین میرے محبوب تھے یعنی حسین ابن علی۔ اب دو حسین میرے محبوب ہوئے ایک حسین ابن علی اور دوسرے حسین ابن معز تمہارے بھتیجے۔ اس کے بعد جب شیخ مظفر خواب سے بیدار ہوئے تو اسی وقت شیخ حسین کے حجرہ کے پاس گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، پہلے سلام کیا اور بڑی تعظیم و تکریم کی اور خواب کا واقعہ بیان کیا۔ شیخ حسین نے فرمایا کہ رات میرے دل میں ایک خیال گذرا اور ایک درود لکھی۔ اس زمانہ میں مختلف اطراف سے قافلے حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ تقریباً تیس چالیس اولیائے وقت نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ص فرما رہے ہیں کہ مولانا مظفر کے بھتیجے نے ایک درود لکھ کر میرے پاس بھیجی ہے اس کو یاد کر لو۔ صبح ہوتے ہی ان سبھوں نے شیخ مظفر کے پاس آکر خواب کا قصہ بیان کیا اور یہ درود لکھوا کر اپنے ملکوں میں لے گئے۔ [۱]

درج بالا واقعہ سے حضرت حسین نوشہ توحید کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ آپ صاحب سجادہ و تسبیح بھی تھے اور صاحب قرطاس و قلم بھی۔ آپ کی زندگی سرتاسر قرآنی احکامات اور سنت نبویہ کی پیروی تھی۔ آپ کی خانقاہ اور وہاں کی مشغولیتوں کا ذکر کرتے ہوئے احمد لنگر دریا ایک جگہ فرماتے ہیں:

"تقریباً تیس چالیس صوفیاء اور فقراء ہمیشہ باوضو متوجہ

---

[۱] مونس القلوب قلمی مجلس ۲۵ ص ۹۲ و وسیلۂ شرف

الی اللہ ذکر و فکر حق میں مشغول رہتے تھے“ پھر اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ:
”ان بزرگوں کے دیکھا دیکھی میری بھی طبیعت اس میں لگتی تھی اور ان ہی کاموں کی رغبت ہوتی تھی۔ رات دن ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا رہتا۔ یہانتک کہ حضرت قاضی لنعمت کو میری یہ باتیں معلوم ہوئیں تو مجھ کو بلاکر سمجھایا کہ میاں احمد، ابھی تحصیل علم کا وقت ہے۔ علم حاصل کر لو پھر تو تم کو یہی سب کرنا ہے۔ ابھی سے اس میں مشغول ہونے سے تم کو تحصیل علم کا موقع نہ مل سکے گا۔“ ؎

ایک شخص حضرت احمد لنگر دریا کے پاس توبہ کرنے کو آیا۔ آپ نے اس سے توبہ کرائی اور اپنے ہاتھ سے طاقیہ اس کے سر پر پہنا دی اور توبہ اس طرح کرائی کہ کہو کہ میں نے توبہ کی اور خدا کی طرف لوٹ آیا۔ اب پھر گناہ نہ کروں گا اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اور تین جگہ سے اس کے سر کے بال قینچی سے کاٹ دیئے اور فرمایا کہ حضرت مخدوم شیخ حسین بھی اسی طریقہ سے توبہ کرواتے تھے۔ اور نقل بیان کی کہ ایک بار حضرت مخدوم نوشہ توحید کے پاس ایک شخص اپنے ایک کمسن لڑکے کو لے آیا اور کہا کہ اس کو توبہ کرا دیجئے۔ حضرت نے اسی طرح توبہ کی تلقین کی۔ اس شخص کے دل میں یہ بات گذری کہ میرا لڑکا تو بالغ نہیں ہے اور ابھی تک تو کوئی گناہ بھی نہیں کیا ہے پھر اس طرح کی توبہ کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مخدوم نے کشف باطن سے اس کے دل کی بات جان لی اور فرمایا کہ یہ لڑکا بڑا

؎ مونس القلوب قلمی صفحہ ۶

ہوکر اگر کوئی گناہ کرے گا تو یہ توبہ کفارہ کا کام کرے گی۔ یہ سن کر وہ شخص ڈرا اور زمین پر سر رکھ دیا معافی مانگی اور کہا کہ یہ گستاخی مجھ سے غیر ارادی طور پر ہوئی۔ میں توبہ کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ ؎۱

جامع ملفوظات مونس القلوب لکھتے ہیں کہ ایک بار میں کاشف الاسرار پڑھ رہا تھا تو حضرت لنگر دریا نے فرمایا کہ عدن میں ایک بزرگ شیخ سعد تھے۔ جب انہوں نے رسالہ حضرات خمس دیکھا تو بہت پسند کیا اور کہا کہ ہندوستان میں ایسے بزرگ بھی ہیں۔ کیا تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا ہاں دیکھا ہے، ان کی خدمت میں رہا ہوں اور ان سے پڑھا بھی ہے۔ حضرت سعد نے اعتقاد کے ساتھ میرا ہاتھ پاؤں چوما اور کہا کہ لاؤ یہ رسالہ ہم تمہارے سامنے پڑھیں۔ کیونکہ تم نے خود مصنف کے سامنے پڑھا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نہ مانے اور پورا رسالہ میرے سامنے پڑھا اور مسائل کی تحقیق کی اور اس رسالہ میں فارسی کے جو اشعار تھے ان کو عربی میں سمجھانے کے لئے کہا۔ ؎۲

حضرت حسن جشن دائم فرماتے تھے کہ میں نے کچھ دنوں بیعت لینا ترک کر دیا۔ مخدوم شیخ حسین کو خواب میں دیکھا کہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے میرے کارخانے کو کیوں بند کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں خود گناہوں میں غرق ہوں۔ دوسروں کا بیڑا کیا پار لگاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت حسین نے ایک کاغذ آستین سے

؎۱ مونس القلوب مجلس ۴

؎۲ مونس القلوب مجلس ۴۹ و وسیلۂ شرف

نکالا اور مجھ کو دیا۔ دیکھا کہ اس میں شجرۂ پیران فردوسیہ سبز روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ پڑھو اور دیکھو کہ تمہارے نام کے اوپر چوبیس پیروں کا نام لکھا ہوا ہے۔ اگر یقین نہیں تو پیٹھ پھیر کر دیکھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے شیخ مظفر ان کے پیچھے حضرت مخدوم جہاں اور ان کے پیچھے حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی یہاں تک کہ اخیر میں حضرت رسالت پناہؐ۔ پھر حضرت حسین نے فرمایا کہ جس کے اتنے پیشوا ہوں اس کو کس بات کا ڈر۔ صبح ہوتے ہی شیخ کے فرمان کے مطابق اطاعت شروع کر دی۔[۱]

ایک بار شیخ حسین نوشہ توحید جونپور گئے ہوئے تھے۔ ایک دن سید اجمل رحمت اللہ کی مجلس میں گئے۔ وہ اپنے پیروں کے کشف وکرامات کا ذکر کر رہے تھے۔ جب بہت کہہ چکے تو شیخ حسین سے کہا کہ آپ اپنے پیروں کے مناقب بیان کیجئے۔ شیخ حسین نے جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ ان بزرگوں کے مناقب بیان کروں لیکن ہاں سنئے۔ ایک روز خواجہ بہاء الدین کے یہاں مجلس تھی۔ حضرت مخدوم جہاں بھی تھے۔ جب قوال نے یہ رباعی گائی ؎

آنہا کہ خدائی من ز من می بینند
گر مغ بینند بصحبتم نہ نشینند
گر قصۂ خویش سگی بر خوانم
سگ دامن پوستین زمن بر چینند

حضرت مخدوم جہاں کو وجد آیا، سر ہلاتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ واللہ

---

[۱] مونس القلوب مجلس ۵۷

ٹھیک کہا، باللہ ٹھیک کہا، تاللہ ٹھیک کہا۔ امیر اجمل مذکور یہ سن کر خاموش ہو گئے اور پھر کچھ نہ کہا۔ ؎۱

حضرت مخدوم نوشہ توحید کے مزاح سے متعلق چند باتیں سامنے آتی ہیں۔ تصوف جیسے خشک موضوع سے کبھی کبھی الگ ہٹ کر اکثر صوفیاء کے یہاں مزاح کا پہلو دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تفریح بھی حیات انسانی کا ایک جز ہے۔ یکسانیت انسانی فطرت کے منافی ہے۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ صوفیا کے مزاح کے پیچھے بھی سنت نبوی کی جھلک ملتی ہے۔ گویا ان کی زندگی کا ہر لمحہ رسول اکرمؐ کے نقش قدم پر گذرتا تھا۔

ایک بار مخدوم شیخ حسین ایک باغ میں لنغزک (قسم آم) کے شوق میں گئے۔ اکثر احباب اور معتقدین ساتھ تھے۔ قریب قریب دس ہزار لنغزک اکٹھا ہو گیا اور تودہ بن گیا اور لوگوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ سب نے کھانا شروع کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک بار رسول اللہؐ نے بھی اپنے اصحاب کے ساتھ خربزہ کی بازی کی ہے۔ ہم بھی اس سنت کی اتباع کریں اور ایک لنغزک ہاتھ میں لے کر حاجی معین الدین کی طرف پھینکا۔ سبھوں آپ کی اتباع میں حاجی مذکور کی طرف لنغزک پھینکنے شروع کئے یہاں تک کہ حاجی معین الدین سینے تک لنغزک میں چھپ گئے۔ ؎۲

شیخ فرید بیان کرتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے والد

؎۱ مونس القلوب مجلس ۵۲ ؎۲ مونس القلوب مجلس ۶۵

مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید کے پاس آئے اور چھٹی[1] کے روز پہنانے کے لئے ایک ٹوپی (طاقیہ) کی التجا کی۔ حضرت نے ٹوپی عطا کی۔ اب وہ ٹوپی میرے سر پر چھوٹی ہوتی ہے۔ حضرت نے شیخ فرید سے وہ ٹوپی منگوائی، دونوں ہاتھ اس ٹوپی میں ڈال کر دکھایا اور فرمایا کہ جو ٹوپی حضرت مخدوم نے بچپنے میں مجھے دی تھی وہ اب تک میرے سر پر ٹھیک آتی ہے۔ یہ کہہ کر مسکراتے رہے۔ اس کے بعد شیخ فرید کو سامنے بلا کر کہا کہ لو پہنو۔ وہ ٹوپی اتنی بڑی ہو گئی کہ ان کے ابرو تک پہنچ گئی۔ جو لوگ وہاں تھے انہوں نے اس کا مظاہرہ کیا۔[2]

ایک بار صدر محمود نے حضرت لنگر دریا سے پوچھا کہ کہا جاتا ہے کہ خواجہ منصور کو جو سولی دی گئی تو ان کو مسرت ہوئی۔ حضرت لنگر دریا نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شیخ حسین سے کسی نے پوچھا کہ ہندو عورتیں جو اپنے شوہر پر خوشی سے جل کر قربان ہو جاتی ہیں یہ کیا ہے تو فرمایا کہ اس وقت ان کے دلوں میں جل جانے کے سوا اور کوئی چیز مسرت بخش نہیں ہوتی اور اتنی بے قرار ہو جاتی ہیں کہ لاکھ روکا جائے وہ جلنے سے باز نہیں آتیں اور شعر پڑھا۔

جاں را فدائے دوست کن کم از زن ہندو مشو
کو از برائے مردۂ زندہ بسوزد خویش را

حضرت حسین نوشہ توحید عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے، مجاہدہ نفس پر خاص توجہ رہتی تھی۔ حضرت لنگر دریا فرماتے ہیں کہ ایک

---

[1] چھٹی: ولادت کا چھٹا دن

[2] مونس القلوب مجلس ۷۸

روز مخدوم شیخ حسین کو اٹھارہواں فاقہ تھا۔ فرمایا ضعف غالب ہے پھول سونگھنے کی رغبت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سنتے ہی دس گیارہ آدمی پھول لانے کو دوڑے۔ میں بھی باہر نکلا اور ایک باغ میں جاکر باغبان سے چمپا کا دو پھول خرید کر لے آیا۔ حضرت شیخ پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ پھول نازک ہے۔ مٹی کے دو کوزے لے آؤ اور اس پھول کو پانی میں دھوکر اسی کوزے میں رکھ کر لے آؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے پھول سونگھا۔ کچھ قوت حاصل ہوئی۔ فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ تکیہ کے سہارے بیٹھے اور پھول سونگھتے رہے۔ دعا کی اے خدا جس طرح تو نے اس پھول کو خوشبو بخشی ہے اسی طرح شیخ احمد کو دنیا اور آخرت میں خوشبو عطا کر۔[۱]

حضرت حسین نوشہ توحید بیعت لینے سے پہلے اپنے مریدوں کی آزمائش بھی کرتے تھے۔ جب کوئی طریقت کی تعلیم کے لئے آتا تھا تو حضرت حسین نوشہ توحید بلخی اس کو وضو کے لئے تھوڑا پانی اور روٹی کے ساتھ تھوڑی ترکاری بھیجتے تھے۔ اگر وہ اتنے ہی مختصر پانی سے وضو کر لیتا اور مختصر سی ترکاری کے ساتھ کھانا کھا لیتا تو اس کو اپنی خانقاہ میں رکھ لیتے تھے ورنہ اسے واپس کر دیتے تھے۔

حضرت لنگر دریا فرماتے ہیں کہ میں نے مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید سے سنا کہ حضرت شیخ مظفر فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار مخدوم جہاں سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے چالیس دن تک کوئی چیز نہیں کھائی۔

---

[۱] مونس القلوب مجلس ۲۴

حضرت مخدوم جہاں نے جواب دیا کہ ایسامت کہو کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ ہاں اتنے عرصہ میں غلہ البتہ نہیں کھایا۔ کبھی درخت کے پھل، پتیاں اور ساگ پات کھالیا کرتا تھا۔ [1]

حضرت نوشہ توحید جود وسخا میں کچھ کم نہ تھے۔ آپ کے پاس آنے والا کوئی بھی سائل محروم نہیں لوٹتا۔ آپ کی مہربانیاں اور آپ کے لطف وکرم بلا تفریق مذہب وملت عام تھے۔ آپ صحیح معنوں میں انسانیت کے علمبردار تھے۔ آپ کے مکتوب وملفوظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلم ارادتمند بھی آپ کی خانقاہ میں کشکول گدائی لے کر آتے اور آپ کی محبت وموانست سے اسے بھر کر لے جاتے۔ [2]

فردوسیہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں جو ایک بات قابل غور ملتی ہے وہ یہ کہ سب نے تعلیم پر بہت زور دیا ہے۔ گویا ان کے یہاں بغیر علم کے عمل کا تصور نہیں ہے۔ قریب قریب تمام اکابرین ایک صوفی کے علاوہ علمی اعتبار سے ایک جید عالم وفاضل گذرے ہیں۔ حضرت نوشہ توحید کا تو درس وتدریس محبوب مشغلہ رہا ہے۔ کسب علم کی تلقین وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں اسلامی تعلیمات ایک مستحکم نظام حیات کا تصور ہمارے سامنے پیش کرتی ہے اور اس کی روشنی میں انسان کی زندگی کا ہر عمل اور اس کا ہر فعل خالصۃً للہ ہوتا ہے۔ تصوف میں ایک مقام فنا کا آتا ہے اور ساری چیزیں مقصود بذات واحد ہو کر رہ جاتی ہیں۔

---

[1] مونس القلوب مجلس ۱۲ [2] گنج لایخفی مجلس ۱۳۰ و مونس القلوب مجلس ۱۶

تاہل :- حضرت نوشہ توحید کی دو شادیاں تھیں۔ پہلی شادی بازید پور میں ہوئی تھی جن سے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک شاہ سلیمان اور دوسرے شاہ سیف الدین۔ آپ کی دوسری شادی چچازاد بہن بی بی عروس یا عروسہ دختر شیخ قمرالدین سے ہوئی اور ان سے حضرت حسن جشن دائم ہوئے جو اپنے والد کے بعد سجادہ نشین بھی ہوئے۔[۱]

حضرت حسین نوشہ توحید کی اہلیہ بی بی عروسہ ہمیشہ باوضو رہتیں، چاشت کی نماز اور اشراق و تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوتی اکثر عورتیں آتیں اور عبادت میں شریک ہوکر آپ سے تربیت حاصل کرتیں۔[۲]

حضرت نوشہ توحید کی طرح آپ کے فرزند حضرت حسن جشن دائم بھی بڑے مخیر تھے۔ جو کچھ نوشہ انہیں دیتے اسے فقراء میں بانٹ دیتے۔ حضرت حسین فرماتے تھے کہ میاں حسن کو کتنی بھی دولت دے دی جائے وہ خرچ کر دیں گے۔ ان کی ہمت تو ایسی ہے کہ اگر موقع ملے تو ہم کو بھی کسی کو بخش دیں۔[۳]

ایک مرتبہ حضرت حسین نوشہ توحید نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت سلیمان اور حضرت حسن جشن دائم کے پاس گل شکر کے ایک ایک مٹکے بھیجے۔ پہلا مٹکا حضرت سلیمان کے پاس لے جایا گیا۔ آپ نے

۱۔ گنج لاخفی و مونس القلوب

۲۔ ۳۔ مونس القلوب مجلس ۱۶

اس کو بڑی عزت و احترام سے لے کر احتیاط سے رکھ دیا۔ پھر دوسرا مٹکا حسن جشن دائم کے پاس لے جایا گیا۔ آپ نے اس کو عزت کے ساتھ سر پر اٹھایا اور پھر اس کو وہاں سے چھوڑ دیا۔ مٹکا ٹوٹ گیا اور سارا گل شکر بکھر گیا۔ آپ نے احباب کو دعوت دی اور سب مل کر اسے فوراً صاف کر گئے۔ حضرت نوشہ توحید کو جب اس کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت حسن جشن دائم کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا کہ ایسے ہی دل والوں سے کچھ کام ہوتا ہے۔ لیکن حضرت سلیمان کے بارے میں افسوس کے ساتھ فرمایا سلیمان نے اسے کیوں نہ خرچ کیا" رکھنے سے کیا فائدہ۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے مگر اس سے دونوں صاحبزادوں کا امتحان مقصود تھا۔ بعد میں نوشہ توحید کے سلسلہ کا فیضان بھی حضرت حسن جشن دائم ہی سے جاری ہوا۔ [1]

حضرت نوشہ توحید کے پوتے حضرت احمد لنگر دریا کو یہ شرف حاصل رہا کہ آپ نے اپنے دادا سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ یہ بات آ چکی ہے کہ درس و تدریس حضرت نوشہ توحید کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ وہ تمام عمر اسی میں لگے رہے، خود ان کی تعلیم مختلف ملکوں کے اکابرین سے ہوئی تھی۔

حضرت احمد لنگر دریا بیان کرتے ہیں کہ میں بہت کم سن تھا اور حضرت حسین کی خدمت بہت کرتا تھا اور شیخ حسین بھی مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، ایک بار مجھ سے فرمایا کہ کچھ عربی کی تعلیم حاصل کر لو تاکہ میری

---

[1] مونس القلوب قلمی ص ۶۲

باتیں سمجھ سکو۔ اس کے بعد پھر میرا کام ہے۔[1]

صوفیا کے مسلک میں نفس کشی اور مجاہدۂ نفس کی تعلیم بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ فقر و فاقہ، عبادت و ریاضت اور مشقت ان کا کیش رہا ہے یہ ایک باریک نفسیاتی نکتہ بھی ہے کہ جو چیز محنت و مشقت اور مجاہدے سے حاصل ہوتی ہے اس میں پائداری اور استحکام ہوتا ہے۔ خود حاصل کرنے والے کو بھی اس کی عظمت اور اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ عجز و انکساری خدا کو محبوب ہے۔ لہذا اس کے ذریعہ انسان بڑی سے بڑی چیز حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت حسین نوشہ توحید نے اپنے پوتے حضرت احمد لنگر دریا سے کہا کہ ہم لوگ شیخ زادے ہیں۔ گھوڑے پر چڑھ کر علم حاصل کرنے کے لئے جانا مناسب نہیں، اس سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد احمد لنگر دریا پڑھنے کے لئے پیدل جانے لگے۔ حضرت لنگر دریا فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ حسین جو نصیحتیں مجھ کو کرتے تھے اس پر میرا ایمان تھا اور ممکن نہ تھا کہ اس سے تجاوز کروں۔ اور پھر فرمایا کہ مجھے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن کچھ جانور شکار کر کے لائے۔ حضرت شیخ حسین نے کہا کہ تم نے نہ جانے کتنے غریب جانوروں کو بے گھر کر دیا۔ اس روز سے میں نے شکار کرنا ترک کر دیا۔[2]

حضرت لنگر دریا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے سوتیلے چچا شیخ سیف الدین سے جماعت خانہ کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ بڑی پریشانی

---

[1] مونس القلوب مجلس ۲۴ [2] مونس القلوب مجلس ۳۳

ہوئی۔ آخر ایک شب حضرت مخدوم نوشہ توحید کے روضہ پر گئے اور چاہا کہ ان سے عرض کریں مگر پھر دل میں خیال آیا کہ بیٹے کی شکایت باپ سے کیسے کریں۔ اس لئے وہاں سے اٹھ کر حضرت مخدوم جہاں کے روضہ پر آئے اور عرض حال کیا۔ نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں ایک آواز سنی کہ چند روز صبر کرو، معاملہ تمہارے حسب خواہ ہوگا۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ میرے خلاف ہوگا اور مکان چھوڑنا پڑے گا۔ اپنے بال بچوں کو لے کر گھر سے نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جیسا کہ حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا تھا، مکان پر میرا قبضہ ہوگیا۔ [۱]

وصال

جب حضرت حسین نوشہ توحید کی رحلت کا زمانہ قریب آیا تو شیخ حسن عشق دائم نے والد سے کہا کہ میری دینی یا دنیاوی جو بھی حالت اور ضرورت ہوتی تھی وہ آپ سے عرض کرتا تھا۔ اب جبکہ آپ کی ایسی حالت ہو رہی ہے (یعنی موت قریب ہے) تو میرا کیا حال ہوگا اور کس سے عرض مدعا کروں گا۔ حضرت حسین نے فرمایا کہ ایک ولی کو جو تصرف دنیا میں یکچند ہے وہ مرنے کے بعد دس گونا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں روح قالب میں بند ہے اور مشرق سے مغرب تک نہیں جا سکتی مگر جب روح قالب سے جدا ہو جاتی ہے تو چشم زدن میں مشرق سے مغرب تک سیر کر سکتی ہے۔ تمہیں جو بھی ضرورت پیش آئے میری طرف توجہ کرنا اور حضرت مخدوم جہاں سے

---

[۱] مونس القلوب مجلس ۴

غرض کرنا، انشاء اللہ کام ہو جائے گا۔[۱]

حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید کی وفات سے کچھ دن پہلے ان کے ایک خدمت گار خاص حاجی گوہر نے انتقال کیا۔ شیخ حسین بہت مغموم ہوئے اور فرمایا کہ حاجی گوہر نے دغا کیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت حسین نے انتقال کیا۔[۲]

حضرت حسین نوشہ توحید کا وصال بتاریخ ۲۴ ماہ ذی الحجہ ۸۴۴ھ بروز سہ شنبہ بوقت ظہر ہوا۔ آپ کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

تاریخ سال وفات سنہ بلخی حسین

شد گل با آب بہار شرف
۸۴۴ھ

جب حضرت حسین نوشہ توحید قدس سرہٗ کو قبر میں رکھا گیا اور روئے مبارک کھول کر دیکھا گیا تو آنکھیں سرخ نظر آئیں۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ آنکھیں بالکل کھلی ہوئی تھیں۔[۳]

درس و تدریس کے علاوہ اوقات میں آپ تصنیف و تالیف میں مشغول رہا کرتے تھے۔ عربی و فارسی زبان پر آپ کامل قدرت رکھتے تھے دونوں زبانوں میں آپ کے نثری اور منظوم کارنامے ملتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

۱۔ مونس القلوب مجلس ۳ ۲۔ مونس القلوب مجلس ۵۵

۳۔ مونس القلوب مجلس ۷۸

آپ کا مزار بہار شریف میں واقع ہے اور ہر سال عرس کے موقع پر عقیدتمندوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت احمد لنگر دریا سجادہ نشیں ہوئے اور ان کا مزار بھی اسی حلقہ میں ہے۔

نسب نامہ نوشہ توحید بلخی

سلطان ابراہیم ادہم

دختر = میر سلیمان

ابراہیم ادہم

سلطان محمود

سیّد بزرگ

سراج الدین

حمید الدین

سید علی

سلطان شمس الدین بلخی

مظفر شمس بلخی — معز الدین بلخی — قمر الدین بلخی

بازید پوری = حسین نوشہ توحید = دختر بی بی عروسہ

شاہ سلیمان — سیف الدین

حسن جشن دائم

احمد لنگر دریا

ابراہیم عرف سلطان

حضرت نوشہ توحید کے معاصرین بزرگؒ

۱۔ شیخ نور الحق پسر شیخ علاء الحق پنڈویؒ

سنہ ۷۲۲ھ تا سنہ ۸۱۳ھ

۲۔ سید صدر الدین راجو قتال بخاریؒ

سنہ ۷۴۱ھ تا سنہ ۸۲۷ھ

۳۔ قطب عالمؒ (مخدوم سید جلال بخاری کے پوتے)

سنہ ۸۰۰ھ تا سنہ ۸۵۷ھ

۴۔ شاہ بدیع الدین مدارؒ

سنہ ۷۷۱ھ تا سنہ ۸۵۱ھ

۵۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ

(حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے)

سنہ ۷۲۱ھ تا سنہ ۸۲۵ھ

حضرت نوشہ توحید کے معاصرین بادشاہ

۱۔ فیروز شاہ تغلق

سنہ ۷۲۵ھ تا سنہ ۷۹۰ھ

۲۔ ملک الشرق خواجہ جہاں سنہ ۷۹۶ھ تا سنہ ۸۰۲ھ

سنہ ۱۳۹۳ء تا سنہ ۱۳۹۹ء

۳۔ مبارک شاہ شرقی سنہ ۸۰۲ھ تا سنہ ۸۰۴ھ

سنہ ۱۳۹۹ء تا سنہ ۱۴۰۱ء

۴۔ ابراہیم شرقی سنہ ۸۰۴ھ تا سنہ ۸۴۲ھ

سنہ ۱۴۰۱ء تا سنہ ۱۴۴۰ء

۵۔ محمود شاہ شرقی سنہ ۸۴۲ھ تا سنہ ۸۶۲ھ

سنہ ۱۴۴۰ء تا سنہ ۱۴۵۸ء

تصنیفات و تالیفات حسین نوشہ توحید

(الف) مجموعۂ مکتوبات

(ب) ملفوظ گنج لایخفیٰ

(ج) مثنوی افتخار حسینی

حضرت حسین نوشہ توحید نہ صرف اپنے وقت کے ایک عظیم صوفی اور بزرگ گذرے ہیں بلکہ وہ فارسی و عربی زبان پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ مخدوم حسین نوشہ توحید جس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے وہ یکتائے زمانہ تو تھا ہی، خود نوشہ توحید نے مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ اور مظفر شمس بلخی جیسے اکابرین دین وملت سے علمی وروحانی استفادہ کیا تھا۔ نوشہ توحید کے پیش نظر مخدوم الملک کے مجاہدے اور مظفر بلخی کے مشاہدے تھے۔ نوشہ توحید نے انہیں خرمنوں سے خوشہ چینی کر کے علم و عرفان کے دشوار گذار منازل طے کئے اور حقانیت و وحدانیت کے سرچشمے سے سیراب ہو کر آپ کی ذات دنیا کے لئے ایک مستقل مینار ہدایت بنی تصوف و عرفان کے انہیں اجزائے ترکیبی سے آپ کی ذات والا تبار نے اپنی تصنیفات و نگارشات کو مزین کیا۔

عربی کے علاوہ آپ فارسی نظم اور نثر دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔ اگر ایک طرف آپ کی نثر میں سلاست و روانی ہے تو دوسری طرف آپ کے منظوم کارنامے بھی زبان و ادب کے معیاری تحائف ہیں۔ آپ کے فارسی دیوان پر سیر حاصل بحث آئندہ اوراق پر ملے گی۔ فارسی دیوان کے علاوہ آپ کی ایک مثنوی افتخار حسینی بھی ہے۔ یہاں پر میں آپ کی

تصانیف کا اجمالاً ذکر کرتا ہوں اور آئندہ صفحات میں ان پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی سعی کروں گا۔ آپ کا ایک رسالہ حضرات خمس عربی میں ہے۔ فارسی میں رسالۂ قضا و قدر، رسالہ توحید خاص، رسالہ توحید اخص الخواص، رسالہ وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم، رسالہ در بیان ہشت چیز، رسالہ ذکر، اوراد دہ فصلی، ملفوظ گنج لایخفیٰ، مجموعہ مکتوبات، اجازت نامہ بنام حضرت حسن جیشن دائم بلخی، رسالہ در شمائل و خصائل نبوی، مثنوی افتخار حسینی مشہور بہ چہار درویش اور دیوان فارسی آپ کے رشحات قلم کے گہر تابدار ہیں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں صوبہ بہار میں فارسی زبان و ادب کا اتنا اونچا معیار تھا۔ اگر ایران میں فارسی زبان اپنے کمال کو پہنچ رہی تھی تو ہندوستان کے اس دور افتادہ صوبہ بہار میں بھی فارسی اپنا ایک بلند و ارفع مقام پیدا کر چکی تھی۔ تصوف جیسے خشک موضوع پر ان صوفیائے کرام کی نگارشات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں کس قدر زبان و بیان پر قدرت تھی کہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کیلئے انہوں نے اتنا اچھا انداز بیان اختیار کیا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج تک ان منتشر گہرہائے آبدار کو ہم جمع نہ کر سکے اور انہیں علم و ادب و عرفان کی لڑی میں نہ پرو سکے۔

آپ کی درج بالا تصانیف پر ایک تفصیلی تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرات خمس چند صفحات کا عربی رسالہ ہے۔ اس میں تجلیات باری تعالیٰ کی پانچ صورتیں متعین کر کے ان کی وضاحت

فرمائی گئی ہے۔ اول احدیت حق تعالیٰ بالفعل و بالقویٰ باعتبار ذات وصفات کے یکتا ویگانہ ولاشریک ہے۔ دوم حضرت المحبوبیت یعنی بصفت محبوبیت ہر چیز میں وہی متجلی وظاہر ہے۔ سوم جو شخص جس شے کا محب ہے وہ بصفت محبوبیت اسی کی تجلی کی ایک صورت ہے۔ چہارم خلق کو شرک وعصیاں سے توحید و اطاعت کی طرف دعوت دینا اسی کی تجلی کی ایک صورت ہے۔ لہذا انبیاء ورسل اور خلفاء دعوت الی الحق کے مظاہر ہیں۔ پنجم اضلال و اغوا شیطان کی صفت ہے۔ لہذا نفس انسانی بہ صفت شیطانیت اسی کی تجلی خفی کی ایک صورت ہے یعنی بصورت نفس وہی مضل و مغوی ہے۔ جس طرح بصورت نبوت ورسالت وخلافت بصفت ہدایت متجلی ہے۔

اس رسالہ کی شرح آپ کے صاحبزادے شیخ حسن جشن دائم البلخی نے فارسی میں کی ہے جو "کاشف الاسرار" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شرح طبع ہو چکی ہے[1] اس رسالہ کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ رسالہ مذکور کو معاصر علمائے حجاز نے پڑھا اور پڑھ کر تحسین فرمائی[2] نامناسب نہ ہوگا اگر عربی عبارت کا مختصر نمونہ شرح کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔ چونکہ یہ رسالہ ایک تو عربی زبان میں تھا اور اس کے مطالب بھی بڑے دقیق اور غامض تھے اس لئے اس کو عام فہم بنانے کے لئے آپ کے صاحبزادے حضرت جشن دائمؒ

---

[1] نسخہ مطبوعہ مطبع البلخ بانکی پور، ۱۰ اگست ۱۸۹۶ء مطبوعہ نسخہ خدا بخش لائبریری ۱۳۵۸۸ (فارسی مطبوعات)

[2] معارف مارچ ۱۹۶۵ء جلد ۷۷ شمارہ ۳ ص ۲۱۷

نے فارسی میں اس کی شرح لکھی جس کا نام کاشف الاسرار ہے۔ اس رسالہ کے اسرار ورموز عام طبقہ کے لوگوں کی فہم سے بالاتر ہیں۔ یہی نہیں بلکہ معارف جیسے مقتدر رسالہ کے ایڈیٹر شاہ معین الدین ندوی کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "یہ اسرار ورموز ہم جیسے ظاہر بینوں کی فہم سے بالاتر ہیں"۔ [1]

رسالہ قضا و قدر

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو مسئلہ قضا و قدر پر مشتمل ہے۔ یہ ابھی تک مخطوط کی شکل میں ہے اور اس کے مختلف نسخے بہار و منیر کی خانقاہوں میں ہیں۔ قضا و قدر کے اسرار و حکم اور خیر و شر کے رموز پانچ تمہیدات میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ آیات قرآنی

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور فَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۝

میں جو بظاہر تضاد ہے اور جس کو نہ سمجھنے کی بناء پر قدریہ، جبریہ اور مثنویہ جیسے گمراہ کن مسالک پیدا ہوئے ان کا دلنشیں انداز اور مدلل پیرایہ میں رد کیا گیا ہے اور مسئلہ خاص میں اہل سنت والجماعت کے مسلک حق کو آیات ھو خالق کل شیئ اور اللہ خلقکم وتعملون کی تفسیر سے مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے۔ مسئلہ مذکور کو پانچ تمہیدات میں

---

[1] معارف مارچ ۱۹۶۵ء

بعنوانات ذیل بیان کیا ہے:

التمهید الاول فی بیان حقیقة الخیر والشر۔

التمهید الثانی فی بیان الحکمة فی خلق الشر۔

التمهید الثالث فی بیان اخراج الشر عن حد الرضا

التمهید الرابع فی بیان اختیار العبد وافعاله

التمهید الخامس فی بیان حکمة الاتقیا۔

یہ رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر بصیرت افروز مقالہ ہے جو کسی سائل کے سوال پر تحریر کیا گیا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور طرز استدلال سے مصنف کی ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے اور قرآن پر بصیرت تامہ ظاہر ہوتی ہے۔

رسالہ توحید خاص

رسالہ قضا و قدر کی طرح یہ رسالہ بھی کسی سائل کے سوال پر جواباً تحریر کیا گیا ہے۔ چنانچہ تمہید میں لکھتے ہیں "آنچہ سوال کردی و ابتہال درخواستی کہ چندیں سخن در توحید خاص بنولیس قلم برگرفتم و بہ تائید ربانی در کتاب آمدم تا تمہ اجابت سوال تو کنم و مسخ شک و شبہ از دامن یقین بہ آب تحقیق بشویم"۔

اس مختصر رسالہ میں مسئلہ وحدت الوجود کو نظائر و امثال و دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت

اہم ہے اور اس مشکل مسئلہ کو بصیرت افروز دلائل و براہین سے ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ مصنف کے تبحر علمی کا بین ثبوت ہے۔

توحید اخص الخواص

آٹھ صفحوں کا چھوٹا سا قلمی رسالہ ہے۔ اس رسالہ میں بھی آیات و روایات اور نظائر و امثال سے وحدۃ الوجود کو ثابت کیا گیا ہے اور اس پر کچھ مستحکم دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔ یہ رسالہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے خواص کے لئے لکھا ہے اور خواص ہی اسے کچھ سمجھ بھی سکتے ہیں ورنہ عوام کی سمجھ سے بہت بلند و ارفع ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کے شروع میں لکھتے ہیں "بدانکہ نظماً و نثراً نبشتہ آمد و ایں رسالہ اخص الخواص نام نہادہ شد تا سالکان اِلٰہ و متصوفان درگاہ بتعین دل مطالعہ کنند حق تعالیٰ بفضل اعظم سبب وصول شاں گرداند بمنہ و کرمہ۔"

رسالہ وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم

صوفیوں کی اصطلاح میں عالم ملکوت، جبروت و لاہوت کی تعریف کی ہے۔ یہ رسالہ صوفیوں کے لئے بہت ہی روح پرور اور دلچسپ ہے۔ کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں "سخنے چند در معرفت عالم از دانش و فہم خود در قید کتاب آرم و بگویم کہ باتفاق جملہ سالکان است وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم ہم چنیں است کہ در تحریر می آید۔" یہ رسالہ بھی قلمی ہے۔

رسالہ در بیان ہشت چیز بر اصطلاح موحداں

اس رسالہ میں موحدوں کی اصطلاح خاص میں ہشتگانہ اشیاء کی تشریح ہے۔ جیسا کہ رسالہ کے عنوان سے بھی ظاہر ہے، اس تشریح میں توحید اور موحد کی تعریف و تقسیم اور الحاد و زندقہ، ملحد و زندیق کی تمیز و تفریق پر بحث ہے۔ اس رسالہ میں صوفی علماء کے لئے معلومات اور دلچسپی کا بڑا سامان ہے۔ رسالہ قلمی ہے۔ ان کل رسائل کے کاتب مولانا شاہ محمد غلام یحییٰ رضوی ابوالعلائی ہیں اور سنہ کتابت ایک ہی یعنی سنہ ۱۲۹۰ھ ہے اور مولانا شاہ تقی حسن بلخی سجادہ نشیں خانقاہ فتوحہ کے پاس ہے۔

اوراد دہ فصلی

اوراد و وظائف کا مستند اور قابل عمل مجموعہ ہے۔ دیباچہ کتاب میں وجہ بیان کی ہے:-

"اما بعد از وقوف بر احادیث نبویہ و سنن سنیہ معلوم شد کہ اکثر اخبار وے کہ در باب وظائف و اوراد در بعض کتب متاخران مسطور است با فضائل کثیرہ و روایات غریبہ مشہور و متداول است میان علماء و محدثان چوں صحیح بخاری و صحیح مسلم و جامع ابوعیسیٰ ترمذی و سنن ابوداؤد و نسائی و سنن ابن ماجہ و سنن بیہقی و ابن السنن سند حاکم ابی عبداللہ و طبرانی مروی نیست ...... علماء کہ از طرق و قراۃ و سند علم حاصل

کردہ اند و بالواع فرق احادیث وقوف یافتہ وکتب موضوعات ومعتبرات

دیدہ وخواندہ چنیں فرمودہ اند اکثر ادعیہ وصلوات وفضائل آں

موضوع مفتری است الا ادعیہ معدودہ وصلوات محصورہ کہ از مسندات

ائمہ کبار منقول است پس چوں علمائے ایں فن بوضع وافترا و بعضے

ازیں قسم تصریح فرمایند مارا یقین وقوف بداں حاصل نباید بر آں

اضعف ضعفا وتراب اقدام فقرا وحسین معز غفراللہ لہ ولوالدیہ از بہر تحقیق

بعضے ادعیہ وفضائل آں را از کتب مذکورہ واسانید مشہورہ بایجاز و

اختصار در تالیف آوردہ و در ذیل ہر روایتے تمام آں کتاب و در اسناد

وے روائے اصل را ذکر کردہ اند و ازیں بدہ فصل درمیان آوردہ تا شاہد

صالح وعابد دوست بدامن ایں سعادت زند و با تباع اشرف کونین

افضل ثقلین بداں مداومت بماند و فتح الواب سعادت نیل درجات

قرین اوگردد وایں بیچارہ فدائے راہ اوکند وبہ طفیل بخشند انشاءاللہ

یہ رسالہ کل ۳۴ صفحات پر مشتمل قلمی نسخہ ہے۔ اس رسالہ

کے کاتب سید ابوالحسن فردوسی بلخی ہیں اور کتابت کا سال ۱۲۹۱ھ ہے

مجموعہ مکتوبات

مکتوب نویسی بجائے خود ایک مستقل فن ہے۔ انسان کی دیگر

تحریروں کے مقابلہ میں اس کی شخصیت کا بھرپور اور نمایاں عکس اس کے

خطوط کے آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے، گویا خطوط کسی کی شخصیت کی مکمل

تصویر کشی کرتے ہیں اور خطوط کے ذریعہ اس شخص کی طبیعت، اس کی عادت، خصائل اور اس کے ذہنی کوائف کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خط کی تحریر گویا لکھنے والے کی شخصیت کا بہترین آئینہ دار ہوتی ہے۔

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد صوفیائے کرام ہی کی قیادت میں ہوئی۔ صوفیائے کرام دور دراز ملکوں سے آکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور ایمان کی شمع دلنواز سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ دنیاوی بادشاہ اگر ایک طرف ملک کو فتح کرتے اور لوگوں کے جسم پر حکومت کرتے تھے تو دوسری طرف ان صوفیائے کرام نے بھی ان کے دلوں پر حکومت کی۔ دونوں کی حیثیت فاتح کی ہے۔ اگر روح اور دل کو جسم پر فوقیت حاصل ہے تو ان صوفیائے کرام کو بھی بادشاہوں پر ترجیح دینا بالکل فطری عمل ہوگا۔ صوفیاء نے عوام الناس سے براہ راست رابطہ رکھا اور ان میں گھل مل کر ان کی زبان اور ان کے انداز رہائش کو اختیار کیا اور اس طرح اخلاص کے ساتھ علم و عرفان کے چراغ جلاتے اور رشد و ہدایت کی روشنی بکھیرتے۔ ان کی مجلسیں، انکی جلوت و خلوت، ان کے سفر و حضر ان کی تحریر و تقریر، ان کے ملفوظ و مکتوب سب کا بنیادی و مرکزی خیال ایک تھا اور وہ تھا خدا کی اس عظیم بستی میں ایمان کی شمع روشن ہو اور ساری فضا توحید کے نعروں سے گونج اٹھے ــــــــ صوفیائے کبار کی خانقاہیں ہمیشہ حلقہ بگوشوں اور دست گرفتوں سے بھری رہتی تھیں اور توحید و عرفان کے پیاسے ان کی تعلیمات اور ہدایات کے سرچشمے سے سیراب ہوتے رہتے تھے۔ دور دراز جگہوں سے عقیدتمندان راہ سلوک تصوف کے نکات و رموز سے متعلق سوالات لکھ کر پوچھتے

لکھے اور انہیں جوابی مکتوبات کی شکل میں وضاحت بھیجی جاتی تھی۔ اسی طرح صوفیائے کرام کے مکتوب بھی تصوف کے دقیق مسائل کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ہر دور میں ہم صوفیا کے مکتوب کا سراغ پاتے ہیں۔

سلسلۂ فردوسیہ کے سب سے درخشندہ وتابندہ ستارے حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات تصوف و عرفان کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مکتوبات صدی کے مکاتیب اور مکتوب الیہ کے اسمائے گرامی دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مخدوم الملک نے اس عہد کے صوفیاء و بزرگان دین اور حکام وقت کو کس طرح سے تلقین و ہدایت کی ہے۔ ان خطوط سے حضرت مخدوم الملک کے تبحر علمی اور روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مخدوم شیخ مظفر بلخی کے بھی مکتوبات ان کی تمام تصانیف میں ایک بلند وارفع مقام رکھتے ہیں۔ ان کے خطوط بھی مخدوم الملک کی تحریر کے آئینہ دار ہیں۔ یہ خطوط قرآن واحادیث کے حوالے، فلسفہ تصوف سے متعلق دلیلیں اور روحانیت و اخلاق کے سبق سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

فارسی اور اردو ہی ادب میں نہیں بلکہ قریب قریب دنیا کے تمام ادب میں کامیاب مکتوبات کا سراغ ملتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کی طرف سے جو خطوط ابوالفضل نے اس زمانے کے امراء وسلاطین کو لکھے ہیں یہ اپنی جگہ پر فارسی زبان وادب میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔ انداز بیان اتنا پرشکوہ ہے کہ مکتوب الیہ پر خط کا اثر ایک کھن گرج سے کم نہیں پڑا ہوگا۔ الفاظ کا دروبست اور جملوں

کی تراش وخراش کے ذریعہ ایک طنطنہ پیدا ہوتا ہے اور قاری کے ذہن پر زور بیان کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ ابوالفضل کے خطوط سے متعلق ایک مغربی مفکر نے کہا تھا:

It has been said of Abul Fazel that the monarchs of Asia were more at awe of his pen than the soword of Akber.

یعنی اکبر کی تلوار سے زیادہ ایشیا کے سلاطین ابوالفضل کے قلم کے تابع تھے۔ یہ تاریخی خطوط اپنی انفرادیت آپ رکھتے ہیں۔

اردو زبان وادب میں غالب کے خطوط ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ غالب کے خطوط میں سادگی، سلاست، برجستگی اور بے ساختگی بہت نمایاں ہے۔ خط میں گفتگو کا انداز اور تحریر پر تقریر کا گمان ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی فارسی اور اردو ادب میں خطوط کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کی تفصیل سے بحث نہیں ہے۔ آئیے ان معروضات کی روشنی میں ہم حضرت حسین نوشہ توحید کے مکتوبات کا علمی وفنی تجزیہ کریں۔

حضرت حسین نوشہ توحید بلخیؒ کے مکتوبات کو مضمون کے اعتبار سے ہم پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) تعلیم وتربیت اور پند ونصائح

(۲) آیات و روایات اور اخبار و آثار کی تفسیر و تشریح۔
(۳) بزرگان سلف کے ابیات و اشعار پر تنقید اور ان کی توضیح۔
(۴) مسائل شرعیہ کے حکم و مصالح۔
(۵) سلوک و تصوف کے اسرار و رموز۔

مجموعہ مکتوبات نوشہ توحید ؒ

اس کے جامع حضرت نوشہ توحید کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن حسنؒ دائم ہیں۔ دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ نوشہ توحید کے پاس کثرت سے لوگ براہ راست کسب سعادت کرتے تھے اور فیوض و برکات سے متمتع ہوتے تھے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے شرف حضوری حاصل نہیں کر سکتے تھے تو وہ اپنی تعلیمات مکاتیب کے ذریعہ حاصل کرتے تھے۔ پھر حضرت حسن حسنؒ دائم لکھتے ہیں کہ میں نے ان مکتوبات اور رسائل و فوائد متفرقہ کو جمع کیا۔ دیباچہ میں مکتوبات کی فہرست بھی ہے اور ہر مکتوب کا موضوع بھی۔ مکتوب کی تعداد ۴۵ ہے۔ مکتوب کے موضوعات دقیق اور اسرار و سلوک و رشد و ہدایات سے مملو ہیں۔ ان مکاتیب کی اہمیت اسی سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں حضرت نوشہ توحید کے حالات بیان کرتے ہوئے چند مکاتیب کو بجنسہ نقل کر دیا ہے۔ ان خطوط سے نہ صرف یہ کہ

حضرت نوشہ توحید کے مبلغ علم کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے ذاتی حالات، تعلیم و تربیت اور زہد و ریاضت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چونکہ یہ مکتوبات اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان مکتوبات کی فہرست اور موضوع مکتوب کو ان اوراق میں ظاہر کر دیا جائے اور جہاں تک ہو سکے مکتوب الیہ کی بھی نشاندہی کر دی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت نوشہ توحید کے سرچشمہ علم سے کون کون سیراب ہوئے اور کہاں کہاں سے یہ تشنگان بادۂ تصوف اپنی پیاس بجھانے کے لئے خطوط کے ذریعہ تعلیمات حاصل کرتے تھے۔

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۱	در توحید و معنی فنا و فنا	مولانا نور الدین
۲	در حقیقت ذکر و مشغول شدن دراں	فرزند سید حسن حسن دائم
۳	در مبداء وجود عالم و سالک	فرزند سید حسن حسن دائم
۴	در معنی بیت اگر در عقل گنجیدی جمالش الخ	
۵	در حقیقت آدمی	
۶	در فضل بشر و ذکر کفر و ایمان صوفیاء	برادر اعز

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۷	در مراتب انسان	ملک احمد
۸	در تفسیر آیت کیف مدّ الظل	
۹	در تمثیل	
۱۰	در مشاہدۂ حقیقت	
۱۱	در معنی یک بیت شیخ شرف الدین پانی پتیؒ	
۱۲	قصۂ معراج	
۱۳	تفسیر آیت إنّ لک لاجرا غیر ممنون	
۱۴	انواع معرفت	
۱۵	طلوع آفتاب توحید و بطلان دین رسمی	
۱۶	در طلب دین و علامت مدعی صادق	
۱۷	در جذبۂ حق و تجرید	
۱۸	قطع علائق و ترک ہوا	
۱۹	رفع عجب و قطع علائق بہ عبادت وغیرہ	

۵ل چنداں کہ آرزوئے تو در سینہ جائے کرد
واللہ کہ آرزوئے خدا ہم محقر داشت

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۲۰	ترک وتجرید	
۲۱	ترک رسم وعادت	
۲۲	روش مردان وشرائط صحبت ایشاں	
۲۳	درآمدن از علم بہ عمل	
۲۴	درآمدن از علم بہ عمل بہ عبادت دیگر	
۲۵	تفسیر آیت ثم رددناہ اسفل سافلین	
۲۶	تفسیر آیت وإن تک حسنۃ یضاعفہا	قاضی احمد حاکم
۲۷	در انواع عمل	قاضی احمد
۲۸	علم حقیقت نگاہ داشتن زبان از تکلم	خواجہ افتخار الدین
۲۹	کشادہ داشتن دیدہ حق بیں بنظارہ قضا وقدر	
۳۰	تسلیم وتفویض رضا بہ قضا	ملک احمد ومحمد
۳۱	مشیت وتلویط احوال	مولانا عیسیٰ اصلح
۳۲	ذکر باعث سفر ونظارہ افعال	
۳۳	در نظر عبودیت ونظر ربوبیت و ترک ننگ ونام	

شمارۂ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۳۴	رضا بہ قضا و مشاہدہ افعال و سر معیت	مولانا عیسیٰ
۳۵	ذکر و دیدہ خدا بیں	مولانا شیخن
۳۶	در اعتذار بر تقصیر در اکرام زائر بہ بیان نظر ربوبیت و عبودیت بہ عبارت دیگر	
۳۷	در معنی دو بیت شیخ سعدیؒ معلمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت عتاب و ناز و کرشمہ ستمگری آموخت ہزار عالم و عابد بکوے عشق آمد چوں بینوا شدہ راہ قلندری آموخت	
۳۸	در تسکین عاصی بہ نظارہ قضا و قدر	مولانا علی
۳۹	بشارت عاصیاں بہ شفاعت مطیعاں	
۴۰	کشادہ داشتن دیدہ حق بیں بہ نظارہ قضا و قدر بہ عبارت دیگر	ملک القضات
۴۱	معاملہ باہمہ بہ نظر ربوبیت و باخود بہ نظر عبودیت	
۴۲	بنائے کارہا توبہ و تطہیر جوارح	
۴۳	استقامت توبہ بہ محاسبت نفس	فرزند فضل اللہ

مکتوب الیہ کا نام	موضوع مکتوب	شمارہ مکتوب
فرزند فضل اللہ	مخالفت جوارح	۴۴
	محافظت نفس	۴۵
قاضی اوحد	پاک داشتن جوارح عبادت و دیگر	۴۶
	در اطلاع بر معائب و طہارت ازاں	۴۷
مولانا سماء الدین	معنی خودی و بیخودی	۴۸
	نماز بہ صورت و معنی آں	۴۹
	درجات طہارت و نماز در اطوار اربع	۵۰
	در معیت رابعہ و حضور بہ عبادت	۵۱
	در حذر از صحبت اہل ہوا و ذکر معیت	۵۲
	در طلب صحبت و ذکر حضور بہ نظر توحید	۵۳
	پوست و مغز شریعت	۵۴
	حضور دل	۵۵
	ترتیب مشغول روز و شب و تلقین ذکر و مبتدی را	۵۶
مولانا شہاب الدین	در اصول مشغولی بہ ذکر	۵۷
	عدم التفات با فاقی کہ شاغل ذکر است و تقلیل طعام و شراب	۵۸
	در ملازمت ذکر و غلبہ آں	۵۹

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۶۰	در معنی ذکر در طور طریقت و ذکر ذوق	خواجہ شہاب الدین
۶۱	در ذکر حقیقی و توحید حقیقی	
۶۲	تعبیر خواب سائل و داشتن دل بہ کار حق	خواجہ شہاب الدین
۶۳	دربانیٔ دل	خواجہ شہاب الدین
۶۴	اطاعت فرمان دل و فرق میان فرمانِ نفس و فرمان دل	
۶۵	انشراح دل و تلاوت و شنیدن ابیات و برداشتن نظر از اغیار	
۶۶	مکر و دغاء نفس	
۶۷	علامت حضور در تلاوت	
۶۸	در جواب احادیث اللّٰھم لا مانع لما اعطیت	
۶۹	تصحیح مقامات و ملازمت و پاسبانیٔ دل	
۷۰	امیدواری و اندیشہ حق بودن	خواجہ امیر بڈھ
۷۱	ترک اشتغال لایعنی و یاد حق	
۷۲	در بودن با حق	امام حسام الدین
۷۳	در طلب حق و یاد او در جمیع احوال	فرزند فضل اللہ
۷۴	در ملازمت بر کار در جمیع احوال	

شمارۂ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۹۰	در ہمت و فضل برخاست	مولانا سماء الدین
۹۱	در تتبع حال و علو ہمت	
۹۲	در تتبع حال خود بہ محاسبہ نفس بہ عبارت دیگر	
۹۳	در تصحیح یقین سالک	خواجہ عیسیٰ
۹۴	در راہ طریقت	مولانا معز الدین
۹۵	در ادائے حقوق شرع و رسانیدن نفقہ عیال	مولانا بہاء الدین
۹۶	در توکل و ترک اسباب	
۹۷	در معنی دنیا و ترک طعن در کار بہ نیت کنند	
۹۸	در معنی یک بیت مولانا رومی ؎ اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید معشوق ہمی جاست بیائید بیائید	
۹۹	در توجہ بہ خالق و تبرا از مخلوق	
۱۰۰	ترک اعتماد بر اسباب دنیوی	فرزند کبیر الدین
۱۰۱	در مذمت دنیائے دنی	نصیر الدین
۱۰۲	در تقسیم دنیا و اعتماد یقین	نصیر الدین

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۱۰۳	در معنی دنیا و آخرت	سراج الدین
۱۰۴	در تحریض در امور مسلمانان	خواجہ شہاب الدین
۱۰۵	در کفایت مہمات خلق	سراج الدین
۱۰۶	در دستگیری محتاجاں	نصیرالدین
۱۰۷	در فضل حسن خلق	
۱۰۸	در اخلاق و تواضع	
۱۰۹	در ترجیح مقام فراق بر مقام وصال	
۱۱۰	در اشتیاق	
۱۱۱	در سفر کعبہ و اشتیاق آں	
۱۱۲	در وطن اصل و نسبت حقیقی	
۱۱۳	در سفر کعبہ و قرب معنوی	نصیرالدین
۱۱۴	در افلاس مردان دین	خواجہ سماء الدین
۱۱۵	در تنبیہ بہ دیدن تا اہلیت خویش بکمال تواضع	مولانا سماء الدین
۱۱۶	در دیدن عیوب نفس بہ نظر انصاف و راستی باحق	
۱۱۷	در راستی خلق با خالق الاخلاق	مولانا شیخن
۱۱۸	در حسرت و مصیبت نایافت	

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۱۱۹	در شادی یافت و مصیبت نایافت	امیر بڈھ
۱۲۰	در دیدن معائب نا اہلیت خویش	امیر بڈھ
۱۲۱	در دیدن افلاس نا اہلیت خویش بہ عبارت دیگر	
۱۲۲	در شکستگیٔ محبت دوستان حق و بانیت تحوبہ	ملک شیخن
۱۲۳	در اثبات قرب در محبت و دوستی و دوستان حق	مولانا سماء الدین
۱۲۴	در اعتقاد با طائفہ درویشاں	
۱۲۵	در احتیاج بہ مرشد و ذکر احوال درویشاں	
۱۲۶	در ذکر شمہ از عظمت شیخ شرف الدین	خواجہ سراج الدین
۱۲۷	در حسن اعتقاد بہ پیر و اعراض از غیر او	
۱۲۸	در محبت حق و توجہ بہ او و تبرا از اغیار	ملک رفیع معظم
۱۲۹	در محبت حق و برداشتن نظر از کونین	
۱۳۰	در عشق و فرق میان عشق و ہوائے نفس	

شمارہ مکتوب	موضوع مکتوب	مکتوب الیہ کا نام
۱۳۱	در بیرون آمدن از میان ہوا بہ واسطۂ محبت مجاز	
۱۳۲	در عشق مجاز بہ شرط تقویٰ	
۱۳۳	در معاملہ خواص و ذکر طعن عوام بر ایشاں	
۱۳۴	در تلقی نمودن محبت احکام محبوب را	
۱۳۵	در سلطنت عشق و استغنا دادن او گاہ بہ محب گاہ بہ محبوب	
۱۳۶	در ایمان حقیقی و طلب آں	
۱۳۷	در شکستگی و خرابی آں	
۱۳۸	در عبودیت و احوال عشق و خرابیہائے آں	
۱۳۹	در راز گفتن محب با محبوب	
۱۴۰	در گمراہی عاشق و ریاء او با خلق و با معشوق	
۱۴۱	در احوال عاشق و کفر و ایمان او	
۱۴۲	در تحریص و سربازی و بیان معنی محبت	
۱۴۳	در حرفت محبت و ذکر حالت افتادگی	

ملفوظ گنج لاتخفی

صوفیاء کی اصطلاح میں ملفوظ اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی عارف باللہ کی زبان سے وقتاً فوقتاً ادا ہوتا ہے۔ ایک صوفی کی زندگی اسلامی تعلیمات کے ذریعہ قائم کردہ اصولوں پر مکمل اترتی ہے۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں گزاری گئی زندگی کا ہر عمل اور ہر لمحہ عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ ایک مومن کامل کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا غرض تمام حرکات و سکنات عبادت میں شامل ہیں۔ مکتوبات پر بحث کرتے وقت اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ صوفیائے کرام کی مجلسیں عقیدتمندوں سے بھری پری رہتی تھیں۔ حاضرین مجلس سراپا گوش رہتے اور صوفی کی زبان مبارک سے ادا کیے ہوئے ہر لفظ کو ذہن نشیں کرتے اور بعد میں صوفیائے کبار کے ان رشحات فکر کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرتے اور اس طرح ہمیں اکثر صوفیاء کے یہاں ملفوظات کا سراغ ملتا ہے۔

دنیا کے مذاہب کی تاریخ شاہد ہے کہ کس طرح ان اکابرین کی گفتگو کو حلقہ بگوشوں نے قلمبند کیا ہے۔ آج سائنس کی ترقی نے ٹیپ ریکارڈر اور شارٹ ہینڈ ایجاد کیے ہیں۔ آج آواز کو من وعن قید کر لیا جاتا ہے اور پوری گفتگو کو شارٹ ہینڈ کے ذریعہ قلمبند کر لیا جاتا ہے۔ اگلے وقتوں میں تو علم سینہ بہ سینہ سفر کرتا تھا۔ انجیل مقدس، بھاگوت گیتا یہانتک کہ احادیث نبویؐ ملفوظات کی بہترین مثالیں ہیں۔

صوفیائے کبار کے ملفوظات کی صحت کے متعلق ہمیشہ بحث ہوا کی ہے۔ یہاں تک کہ علماء و فضلاء میں احادیث کی صحت اور سند سے متعلق چشمکیں ہوتی رہی ہیں۔ ہمارے سامنے جو ملفوظات کے نمونے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں صوفیاء کے کسی عقیدتمند نے از خود اپنی یادداشت سے لکھا اور جمع کیا۔ دوسرے وہ جنہیں کسی حلقہ بگوش نے نقل اور جمع کر کے صاحب ملفوظ کو دکھایا اور سنایا۔ دونوں قسم کے ملفوظات موجود ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات کے جامع ان کے خلیفہ حضرت حمید شاعر معروف بہ قلندر رہیں جنہوں نے ۷۵۶ھ میں آپ کے ملفوظات کو فارسی میں مرتب کیا اور اس کا نام "خیر المجالس" رکھا اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ ان ملفوظات کو خود حضرت چراغ دہلی نے ملاحظہ کیا اور اس کی سند کی توثیق عطا کی۔

سلسلہ فردوسیہ کے تاجدار مخدوم الملک کے حلقہ بگوشوں اور ان کی مجلس میں حاضر باشوں کی کمی نہ تھی۔ ان کی مجلسیں گویا عرفان و ہدایت کی درسگاہ کا کام دیتی تھیں۔ انہیں حلقہ بگوشوں میں ایک بزرگ حضرت زین بدر عربی تھے جنہوں نے حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات کو جمع کیا۔ مثلاً معدن المعانی، خوان پر نعمت، راحت القلوب، مخ المعانی وغیرہ اور ملفوظات تو جلسوں کی ترتیب کے مطابق ہیں جو وقتاً فوقتاً جامعِ ملفوظات نے کبھی تاریخ وار اور کبھی بغیر تاریخ کے حوالے کے مرتب کیا۔ مگر

اول الذکر ملفوظ معدن المعانی کی یہ خصوصیت ہے کہ تمام ملفوظات کو مختلف عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا۔ دیباچہ میں زین بدر عرب نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا وہ من و عن درج کر دیا گیا ہے اور پوری کتاب حضرت مخدوم نے مطالعہ کر کے مہر تصدیق ثبت کی۔ اس ملفوظ کی اہمیت اور افادیت سے متعلق پروفیسر عطاء الرحمن صاحب عطاؔ کاکوی کا ایک مضمون معارف فروری ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔

حضرت حسین نوشہ توحید قدس سرہ کا ملفوظ گنج لاتخفیٰ ایک ایسا موضوع بحث ہے جس کی تعیین و تصدیق میں کافی حد تک اختلافات رہے ہیں۔ اس بحث میں جو مختلف دلیلیں پیش کی گئی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ امر ضروری ہے کہ قطعیت کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔ حضرت حسین نوشہ توحید کی تصانیف پر روشنی ڈالنا میرا مقصد ہے، اس لئے گنج لاتخفیٰ کی نوعیت اور خصوصیت پر بھی روشنی ڈالنا میرے ذمہ عائد ہوتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس پر مفصل گفتگو کر کے ایک قطعی رائے پیش کروں۔

رسالہ معارف، مارچ ۱۹۵۶ء نمبر ۳ جلد ۷۷ صفحہ ۲۱۱ پر مولانا سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی کا ایک مضمون حضرت حسین نوشہ توحید سے متعلق شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے صفحہ ۲۲۰ پر مولانا موصوف نے گنج لاتخفیٰ سے متعلق یوں تحریر فرمایا ہے:

"گنج لایخفیٰ مخدوم الملک کی جن مجالس میں آپ کی دنوشتہ توحید سے مراد ہے) حاضری اور شرکت ہوئی اور ان میں مخدوم کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق و معارف سنے ہیں، انہیں گنج لایخفیٰ کے نام سے قلمبند کیا ہے۔ مجالس کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ —— سعادت پابوس میسر شد ذکر تلاوت قرآن و استماع افتادہ ایں بیچارہ بہ شرف پابوس مشرف گشت بندگی خواجہ ابراہیم حاضر بود پرسیدند کہ معنی دریافت و برخاست بندگی مخدوم سلمہ اللہ تعالیٰ فرمود یاروزے بندگی علیا درخانہ بدھ کوتوال جلوس فرمودند سلمہ اللہ تعالیٰ"۔ غرض ان عنوانات کے فرمودات و ملفوظات کو ۵، مجالس میں ترتیب دیا ہے، مخدوم کی حیات ہی میں اس کو مرتب کر لیا تھا۔ کتاب ۱۸۳ صفحات کی مخطوطہ اور کتابت نستعلیق ہے۔ کاتب محمد یعقوب بلخی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۲۶ھ۔ اختتام کتاب کی عبارت یہ ہے "گنج لایخفیٰ من کلام حضرت ملک المشائخ مولانا حسین معز شمس بلخی قدس سرہٗ"۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ملفوظات مخدوم الملک کے ہیں اور مولانا حسین معز بلخی اس کے کاتب ہیں۔"

محمد معین الدین صاحب دردائی ایم۔ اے (علیگ)
اپنی کتاب تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں صفحہ ۲۹۴ پر گنج لایخفیٰ سے متعلق مولانا عبدالرؤف صاحب کے خیال کی حرف بہ حرف تائید فرماتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"گنج لایخفیٰ مخدوم الملک کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے جامع حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید فردوسی بلخی ہیں۔ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر قلمی نسخہ کے کاتب محمد یعقوب بلخی ہیں اور سنہ کتابت ۱۲۲۱ھ ہے۔ جہاں پر کاتب نے کتاب ختم کی ہے وہاں اپنی غلط فہمی کی بنا پر یہ جملہ لکھ دیا ہے:

گنج لایخفیٰ من کلام حضرت ملک المشائخ مولانا حسین معز شمس بلخی قدس سرہٗ۔

حالانکہ حضرت حسین معز شمس بلخی اس کے صرف جامع ہیں۔ مخدوم الملک کی جن مجالس میں حضرت نوشہ توحید کی حاضری اور شرکت ہوتی ہے اور ان میں اپنے مرشد مخدوم الملک کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق و معارف انہوں نے سنے ان کو ۵۷ مجالس میں تقسیم کرکے اپنے مرشد ہی کی زندگی میں مرتب کرلیا تھا اور اس کا نام گنج لایخفیٰ رکھ دیا

تھا دیگر ملفوظات مخدوم الملک کی طرح یہ بھی
اسرار و رموز کا سرچشمہ ہے"

جناب دردائی صاحب کی کتاب کا یہ اقتباس اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ انہوں نے رسالہ معارف کے درج بالا مضمون سے استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ مصنف نے اس مضمون کا حوالہ نہیں دیا ہے تاہم چند الفاظ اور جملوں کے رد و بدل کے ساتھ تقریباً وہی باتیں کہی ہیں جو رسالہ معارف میں مولانا عبدالرؤف صاحب نے لکھی ہیں اور مولانا موصوف کے پیش نظر گنج لایخفی کا ایک قلمی نسخہ تھا جو کتب خانہ بلخیہ فتوحہ کی ملک ہے۔ گنج لایخفی کے کاتب سید شاہ محمد یعقوب بلخی کی طرف انہوں نے اس غلطی کو بھی منسوب کیا ہے کہ کاتب نے اسے مخدوم حسین نوشہ توحید کا ملفوظ لکھ دیا ہے۔ کاش بیچارے کاتب کی غلطی پکڑنے سے پہلے مولانا موصوف ملفوظ کو کم از کم سرسری طور پر بھی پڑھ لیتے تو انہیں حقیقت کا اندازہ ہو جاتا۔

مولانا عبدالرؤف صاحب نے اپنے مندرجہ بالا مضمون؛ معارف مارچ ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۲۲۰ پر لکھا ہے کہ اس ملفوظ کو حضرت مخدوم الملک کی زندگی ہی میں مرتب کر لیا گیا تھا۔ دردائی صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ سلسلہ فردوسیہ کے صفحہ ۹۵-۲۹۴ پر تحریر کیا ہے کہ مرتب نے اس ملفوظ کو اپنے مرشد کی زندگی میں مرتب کر لیا تھا۔ گنج لایخفی کی آخری مجلس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس کی تکمیل ۸۳۴ھ میں ہوئی اور یہ بات بھی بالاتفاق طے ہو چکی ہے کہ حضرت

مخدوم الملک نے ۷۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اگر مذکورہ بالا دونوں حضرات نے ملفوظ کا مطالعہ کیا ہوتا تو اس طرح کی غلطی کا امکان نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علمی اور تحقیقی اعتبار سے ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ مولانا موصوف تک اس قلمی نسخہ کی رسائی تو ہوئی یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اس ملفوظ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ مگر طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ پروفیسر درانی صاحب نے اس ملفوظ کی دستیابی کی زحمت بھی گوارہ نہ کی اور مولانا موصوف کے مضمون سے استفادہ کر کے اپنی رائے لکھ دی اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنی اس دریافت کا حوالہ تک دینے سے پرہیز کیا۔

اس بات پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ "مخدوم سلمہ اللہ" سے مولانا موصوف کو دھوکا ہوا اور وہ اس لفظ مخدوم سے حضرت مخدوم جہاں کی ذات سمجھ بیٹھے اور سلمہ اللہ سے اس ملفوظ کی تدوین کا زمانہ حضرت مخدوم جہاں کی زندگی ہی میں فرض کر لیا۔ اس امر کی غمازی ان کے مضمون مذکور سے ہوتی ہے حالانکہ لفظ مخدوم سلمہ اللہ سے حضرت حسین نوشہ توحید بلخی کی ذات مراد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ملفوظ گنج لایخفیٰ میں بہت ساری باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں خود نوشہ توحید نے مخدوم جہاں کی زبان فیض ترجمان سے سنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ حسین نوشہ توحید حضرت مخدوم

جہاں کے دست گرفتہ، صحبت و تربیت یافتہ اور مرید مجاز تھے۔

گنج لایخفیٰ حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید کا ہی ملفوظ ہے اور مخدوم جہاں کے وصال کے کہیں بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں بہتر ہوگا کہ ملفوظ کی اندرونی و بیرونی شہادتوں سے اس کو ثابت کر دیا جائے کہ گنج لایخفیٰ حسین نوشہ توحید کا ہی ملفوظ ہے۔ پہلے بیرونی شہادتوں کو ملاحظہ فرمائیے:

(الف) حضرت مخدوم شعیب فردوسی صاحب مناقب الاصفیاء مخدوم جہاں کے چچازاد بھائی بھی تھے اور جنہوں نے مخدوم جہاں کے علاوہ مظفر شمس بلخی، حسین نوشہ توحید بلخی بلکہ حسن جشن دائم تک کا زمانہ دیکھا ہے، گنج لایخفیٰ سے متعلق یوں لکھتے ہیں:

"در گنج لایخفیٰ ملفوظ شیخ الاسلام حسین معز بلخی آمدہ است[۱]"

اسی حوالہ کو دردائی صاحب نے اپنے قلم سے اسی طرح نقل بھی فرمایا ہے کہ "گنج لایخفیٰ ملفوظ شیخ الاسلام حسین نوشہ توحید[۲] اور اس جگہ اس کی کوئی تردید بھی نہیں کی ہے کہ گنج لایخفیٰ حسین نوشہ توحید کا ملفوظ نہیں ہے۔

(ب) "بتاریخ سانزدہم ربیع الاول روز دوشنبہ در محی الدین پورہ قاضی سید جمیل گنج لایخفیٰ ملفوظ شیخ الاسلام حسین معز

۱۔ مناقب الاصفیاء، قلمی کتب خانہ بلخیہ فتوحہ مرقومہ بخط مانک چند یکم صفر ۱۱۴۳ھ حسب فرمود شیخ محمد اسد اللہ نواسہ مخدوم شعیب و مطبوعہ ص۹۷

۲۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص۳

شمس آوردہ" [1]

یہاں بھی جان لینا ضروری ہوگا کہ یہ بزرگ حضرت ملا عبدالکریم (صاحب مناظرہ رشیدیہ) کے پوتے ہیں اور ملا صاحب موصوف کے سلسلہ فردوسیہ کی اجازت بالواسطہ حضرت قطب الدین ضیادل سے پہونچی ہے [2] ان کو سب سے پہلا فیض حضرت حسین معز شمس بلخی سے پہونچا تھا اور انہیں کے حکم سے کہ "اب تمہارا کشود کار سید نجم الدین غوث الدہر قلندر کی توجہ پر منحصر ہے" وہاں تک پہنچے" [3] اس لئے ظاہر ہے کہ اس خانوادے کی یہ روایت قوی ہی رہی جائے گی۔

(ج) ملا غلام یحییٰ صاحب بہاری مشہور عالم اور صوفی شاعر گذرے ہیں اور جن کے اشعار سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بیعتاً و نسبتاً بھی فردوسی تھے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

بہ لطف دست مرا گیر اے شہ کونین
بحق شیخ مظفر، بحق شیخ حسین

یہ شعر مکتوبات مولانا مظفر شمس بخط قلم غلام یحییٰ بہاری کے حاشیہ پر لکھا

---

[1] گنج فیاضی قلمی ملفوظ حضرت ابی الفیاض قمر الحق المشتہر غلام رشید جونپوری مکتوبہ ۱۱۳۹ھ کتب خانہ جعفریہ رشیدیہ بہار شریف۔

[2] گنج ارشدی جلد دوم قلمی بضمن تذکرہ شجرات طبعیات صہ ندارد مکتوبہ ۱۳۲۳ھ کتب خانہ جعفریہ بہار شریف

[3] اذکار الابرار مطبوعہ مصنفہ جناب شاہ تقی حیدر کاکوروی صہ ۲۶

ہوا ہے[۱]۔ ملا غلام یحییٰ "در گنج لا یخفیٰ ملفوظ حضرت حسین معز بلخی" کا فقرہ اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں۔[۲]

(د) پروفیسر سید حسن صاحب نے اشعار مولانا مظفر شمس بلخی کے مقدمہ میں یوں تحریر کیا ہے:

Ganj-e-La yakhfa a colle-
-ction of the sayings of Husain
Muiz Shams Balkhi, Maulana
Muzaffar's nephew and succe-
-ssor (Manuscript in Persian
in possession of Hakim Shah
Taqui Hasan Balkhi of Patna)

پروفیسر موصوف نے بھی اپنے ذرائع معلومات کی بناء پر یہ اطلاع بہم پہونچائی ہے۔[۳]

درج بالا بیرونی شہادتوں اور عبارتوں سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ بیچارے کاتب شاہ یعقوب بلخی پر مفت غلط فہمی کا الزام تراش

---

[۱] کتب خانہ بلخیہ فتوحہ

[۲] برحاشیہ "حضرات خمس" قلمی ۱۱۹۷ھ کتب خانہ بلخیہ از قلم ملا غلام یحییٰ صاحب

[۳] مقدمہ بر مجموعہ اشعار مولانا مظفر شمس بلخی مطبوعہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی، پٹنہ

گیا تو وہ دوسری کتاب کے صرف ناقل ہیں اور بس۔ کتب خانہ بلخیہ فتوحہ میں گنج لایخفیٰ کا دوسرا نسخہ بھی موجود ہے۔ اس میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں۔ اس کی کتابت اس سے قبل بست و دوم شوال ۱۲۸۰ھ کی ہے جس کے کاتب کا نام محمد یوسف فرحی ہے۔ اب اس کتاب گنج لا یخفیٰ سے کچھ اندرونی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے دو باتیں واضح ہو جائیں گی۔ اول یہ کہ کتاب مخدوم الملک کی زندگی میں مکمل نہیں ہوئی تھی اور دوم یہ کہ یہ حضرت مخدوم نوشہ توحید کا ہی ملفوظ ہے۔

انتخاب از گنج لایخفیٰ

(۱) مجلس دوم صفحہ ۴ "دریں محل ایں بیت حضرت مخدوم شیخ مظفر قدس سرہ العزیز بر زبان مبارک" قدس سرہ العزیز کا استعمال بلا اختلاف متوفی ہی کے لئے ہوتا رہا ہے اور مولانا مظفر بلخی (جانشین مخدوم جہاں) کا وصال بلا شبہ مخدوم جہاں کے وصال کے بعد ہوا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ کتاب مخدوم جہاں کے وصال کے بعد ہی لکھی ہے اور چونکہ یہ الفاظ شروع ہی مجلس کے ہیں اس لئے قرین قیاس ہے کہ اس کے جامع نے اس کتاب کی ابتدا ہی بعد وصال مخدوم جہاں کی ہے۔

(۲) مجلس پنجم صفحہ ۸ "عزیزے عرض داشت کہ در ملفوظات خدمت شیخ قدس سرہ افتادہ است اگر کسے در شہر رود باید کہ اول آب بخورد" حضرت شیخ قدس سرہ سے یہاں حضرت شیخ مخدوم جہاں قدس سرہ

کی ذات مراد ہے اور قدس سرہ سے آپ کے وصال کی بھی توثیق ہوتی ہے۔ یہ روایت حضرت مخدوم جہاں کے ملفوظ میں انہیں الفاظ میں موجود ہے۔ اس لئے در ملفوظات خدمت شیخ سرہ کے لفظ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اشارہ حضرت مخدوم جہاں ہی کی طرف ہے۔

(۳) مجلس سیزدہم صفحہ ۳۴ "بعد نماز عصر روز عرس بندگی شیخ قدس سرہ بندگی مخدوم سلمہ اللہ بکرم جلوس فرمودہ بودند" یہاں پر شیخ قدس سرہ سے مخدوم جہاں ہی کا عرس سمجھنا پڑے گا۔ اگر اس عرس کے لفظ پر غور کیا جائے تو اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں سامنے آجائیں گی۔

(۴) مجلس بستم صفحہ ۴۳ "فرمود سلمہ اللہ تعالیٰ در سنگاؤں بودیم بخدمت شیخ مظفر برد اللہ مضجعہ جائیکہ مشغول می بود مولانا علاء الدین نیز آنجا مشغول می بودند"۔ سنگاؤں میں حضرت مخدوم جہاں کا جانا کہیں سے ثابت نہیں ہے (ملاحظہ ہو مکتوبات مولانا مونس القلوب وغیرہ) اگر مخدوم جہاں کا وہاں جانا ثابت بھی ہو تو " در سنگاؤں بودیم بخدمت شیخ مظفر برد اللہ مضجعہ حضرت مخدوم جہاں نہیں فرما سکتے۔

(۵) مجلس چہل و چہارم صفحہ ۱۳۸ "بعدہ فرمود سلمہ اللہ در مکہ مبارک تحقیق کردہ ایم ایں اختلاف لفظی دست میان ابو حنیفہ و امام شافعی رضی اللہ عنہما" حضرت مخدوم جہاں کا مکہ معظمہ تشریف لے جانا قطعاً ثابت نہیں۔ حضرت حسین نوشہ توحید کا حضرت مظفر شمس بلخی کے شامل وہاں جانا ہر طرح سے ثابت ہے۔ یہ " در مکہ مبارک تحقیق کردہ ایم" حضرت

مخدوم جہاں کا ملفوظ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ یقیناً نوشہ توحید کا ملفوظ ہے۔

(۶) مجلس چہل و دوم صفحہ ۱۳۲ "از خدمت شیخ مظفر شنیدہ ام" حضرت مخدوم جہاں خدمت شیخ مظفر نہیں فرما سکتے۔ مگر ڈر ہے کہ اس سے کہیں گنج لا یخفیٰ کو مولانا مظفر کا ملفوظ نہ سمجھ لیا جائے۔

(۷) مجلس پنجاہ صفحہ ۱۶۲ "در مکہ مبارک روزے شیخ مرحوم (مولانا مظفر بلخی) آمدند در لبستہ بود گفتم (اے حسین) تو کیستی؟ گفتند بندہ مظفر در کشادم" کیا اس عبارت سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ حضرت مخدوم جہاں کا اس ملفوظ گنج لا یخفیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

(۸) مجلس پنجاہ و دوم صفحہ ۱۶۹ "فرمود چند بیتے در فقر نبشتہ بودم ہر کسے ہشت بیچارہ ؏ ہمنداشت کہ بست و یک مصرع بر زبان دربار خود فرمود ؏ تا بملک فقر من عالی لوا آوردہ ام آں تمام اینست" اس کے بعد پوری نظم گنج لا یخفیٰ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ نظم حضرت حسین نوشہ توحید کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ دیوان میں بھی موجود ہے۔ اس فرمود و نبشتہ بودم کی نسبت حضرت مخدوم جہاں کی طرف کس طرح ہو سکتی ہے۔

(۹) مجلس پنجاہ پنجم صفحہ ۱۸۰ "فرمود سلمہ اللہ در ملفوظ بحر المعانی از آں حضرت قدس اللہ سرہ العزیز است کہ بندگی مخدوم عظمہ اللہ فرمود" بحر المعانی حضرت مخدوم جہاں کا ملفوظ ہے جو کتب خانہ بلخیہ میں اسی نام سے موجود ہے۔ یہی ملفوظ دوسری جگہ تحفۂ غیبی کے

کے نام سے بھی پایا جاتا ہے۔ دونوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ایک ہی کتاب کے الگ الگ نسخے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کی دیگر کتابوں کی طرح اس ملفوظ کے متعلق بھی کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہے۔ اس امر کو صاف کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیا دونوں دو ملفوظ ہیں یا ایک اور اس کا نام تحفہ غیبی ہے یا بحر المعانی یہاں پر در ملفوظ بحر المعانی ازاں حضرت شیخ قدس سرہ کا فقرہ حضرت مخدوم جہاں کا ارشاد گرامی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

ان ابتدائی اور وسطی مجلسوں کے علاوہ آخری مجلس ملاحظہ کریں جس سے اور بھی بہت سی باتیں واضح ہو جائیں گی اور شاید مکمل طور پر گنج لا یخفیٰ سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے گا۔

(۱۰) مجلس پنجاہ ہفتم صفحہ ۱۸۱ "چند روز از رحلت حضرت مخدوم سلمہ اللہ ماندہ بود کہ فرمود کہ مرا چیزے بہ پرسید بندگی مخدوم زادہ حسن حاضر بودند ادبے کہ داشتند پرسیدن نتوانستند فرمود سلمہ اللہ کہ نعمت اللہ را بطلبید چوں ایں بیچارہ حاضر شد بحکم فرمان مخدوم سلمہ اللہ درانچہ صغیر بودم شیخ مظفر مرحوم را ملالت صعب شدہ بود، مولانا فرید منتخب اودھی را فرمود کہ اجازت نامہ برائے مولانا حسین بنویس، مولانا مذکور اجازت نامہ بنبشت حضرت مخدوم مرحوم درآں کتبہ خود کردہ تسلیم والدہ من فرمود مولانا مذکور را کہ اتابکی مولانا حسن بکنی بعدہ ازاں علالت حضرت مرحوم معتبر شدند، متابعت الشیخ من

نیز فرزند صغیر خود را یعنی سیف الدین را اجازت می دہم و مولانا نعمت اللہ
را اتابکی اومی فرمایم و بدیں بیچارہ فرمود اے مولانا چوں شیخ سیف الدین
بزرگ شد و علم بیاموزی و تربیت کنی و در اجازت نامہ شیخ سیف الدین
طال عمرہ کتبہ بدیں طور کردہ اجزت لولدی الشیخ سیف الدین
طال عمرہ خالت بلا عناء من اجازت منی و کفی باللہ شہیداً
کتبہ حسین معز شمس بلخی و اجازت نامہ تسلیم لوالدہ سیف الدین کردن
فرمود شیخ سیف الدین و موافق یا مخالفان و مخالف با مخالفان
او فرمود اللھم وفق لنا ایتان امر الشیخ و موافقہ اولادہ
وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ روز سہ شنبہ وقت ظہر بست و چہارم
ماہ ذی الحجہ سنہ اربع و اربعین و ثمان ماندہ بود کہ جان اورا
متقعد صدق نہد ملک مقتدر معراج شد۔ طیب اللہ ثراہ وجعل
الجنۃ مثواہ اللھم اغفرلنا و لجمیع المومنین والمومنات
والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات والحمد للہ
رب العلمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد و آلہ
اجمعین واستغفر اللہ من الزال والخلل واشھد ان
لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ
گنج لا یخفیٰ من کلام حضرت ملک المشائخ حسین معز شمس بلخی
قدس سرہ العزیز و ختم انتہیٰ۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس ملفوظ یعنی

گنج لا یخفیٰ کو کس نے جمع کیا۔ اس ملفوظ میں تقریباً ہر جگہ اس کے جامع نے اپنے کو "بیچارہ عرضداشت" سے روشناس کیا ہے۔ آخری مجلس ہی پر اگر توجہ دی جائے جس کے الفاظ یہ ہیں "فرمود کہ مرا چیزے بر پرسید بندگی مخدوم زادہ حسن حاضر بودند او بے کہ داشتند پرسیدن نتوانستند فرمود سلمہ اللہ نعمت اللہ را بطلبید چوں ایں بیچارہ حاضر شد بحکم فرمان مخدوم سلمہ اللہ عرض داشت ؛" اس پورے جملہ کو ذہن میں رکھ کر چند سطور آگے کے فقرے کو دیکھیں۔

"متابعت الشیخ من نیز فرزند صغیر خود را یعنی سیف الدین اجازت می دہم و مولانا نعمت اللہ را اتابکی او می فرمایم و بدیں بیچارہ فرمود اے مولانا چوں سیف الدین بزرگ شود و علم بیاموزی و تربیت کنی ؛" ان دونوں جملوں میں "بدیں بیچارہ" کا تکرہ کاتب یا جامع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس ملفوظ کے جامع مولانا نعمت اللہ ہی ہو سکتے ہیں۔

(۱۱) حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں اکثر و بیشتر سنائیؔ، عطارؔ، سعدیؔ اور رومیؔ کے اشعار کا موقع و محل سے استعمال ہوا ہے۔ ان کے ملفوظ میں حافظ کے اشعار نہیں ملتے۔ مخدوم جہاں کا وصال ۷۸۲ھ؁[1] میں

---

[1] متفقہ طور پر یہ بات مانی ہوئی ہے کہ مخدوم جہاں کا وصال ۷۸۲ھ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوا! اور حافظ نے ۷۹۲ھ میں انتقال کیا ہے۔ لیکن چونکہ مخدوم جہاں نے کافی لمبی عمر پائی تھی اس لئے قرین قیاس ہے کہ حافظ کا کلام ان کی نظر تک نہیں پہنچا تھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسین نوشہ توحید نے اپنے ملفوظ و مکتوب میں حافظ کے کلام کو موقع محل سے استعمال کیا ہے۔

گنج لایخفیٰ کی تیسری مجلس میں قوال نے حافظ کی غزل ع
بہ فراغ دل زمانی الخ گائی ہے۔ اس کے علاوہ ملفوظ کی چالیسویں مجلس میں حافظ کی اسی غزل کو نوشہ توحید نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا ہے۔

پروفیسر دردائی صاحب ایک طرف تو گنج لایخفیٰ کو مخدوم الملک کا ملفوظ کہتے ہیں مگر دوسری طرف جہاں انہوں نے مخدوم جہاں کے دیگر ملفوظات کا ذکر کیا ہے وہاں ضمنی طور پر بھی گنج لایخفیٰ کو

حاشیہ صفحہ گذشتہ: میں ہوا۔ تذکروں اور خاندانی روایتوں میں بھی یہی سنہ مانا جاتا ہے۔ میرے پیش نظر حضرت نوشہ توحید کی ایک مثنوی افتخار حسینی ہے جو مثنوی چہار درویش کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس میں جہاں پر حضرت مخدوم الملک کا تذکرہ آیا ہے وہاں پر ایک شعر ہے جس سے سنہ وفات ۷۸۲ھ ثابت ہوتی ہے۔ یہ سنہ اور دوسرے شواہد سے ثابت نہیں ہوتا مگر نوشہ توحید کی اطلاع کو آسانی کے ساتھ رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک شعر یہ ہے شد ز ہجرت الخ۔ اس میں کاتب کی تحریف کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ گنج کا قافیہ پنج ہی ہو سکتا ہے۔

شامل نہیں کیا ہے۔[۱]

(۱۳) دردائی صاحب کی تحریر کے مطابق ملفوظ گنج لایخفیٰ کے مرتب نوشہ توحید بلخی ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخدوم جہاں کے وصال اور نوشہ توحید کے وصال میں ۶۲ سال کا فرق ہے تو ایسی صورت میں نوشہ توحید دس یا بارہ سال کی عمر میں مخدوم جہاں کی مجلس میں بیٹھتے رہے ہوں گے اور یہ بات بالکل مستبعد ہے کہ اتنی کم سنی میں آپ مخدوم جہاں کے ملفوظات کے جامع ہوں۔

(۱۴) بہت ممکن ہے کہ مولانا عبدالرؤف صاحب اور پروفیسر دردائی صاحب کی غلط فہمیوں کا باعث ایک امر یہ بھی ہو کہ مخدوم الملک کے ملفوظات کے ایک مجموعہ کا نام "گنج لایفنیٰ" ہے نام کا تشابہ کچھ ایسا ہے کہ نہ صرف سننے میں بلکہ لکھنے میں بھی گنج لایفنیٰ اور گنج لایخفیٰ میں بہت خفیف سا فرق ہے۔ اس لئے گنج لایخفیٰ کو اگر مخدوم الملک کے ملفوظات کا مجموعہ سمجھ لیا گیا تو تسامح ذہنی ہوا۔

مندرجہ بالا دلائل کے پیش نظر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ گنج لایخفیٰ حضرت حسین نوشہ توحید کا ملفوظ ہے اور اس کے جامع نعمت اللہ ہیں۔ گنج لایخفیٰ نوشہ توحید کے ملفوظات کا ایسا مجموعہ ہے جو

---

[۱] پروفیسر موصوف کی بالغ نظری کے لئے یہی نہیں بلکہ خود ان کی تحریروں سے ان کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص۲۵

سرتاسر علم و عرفان کے سرچشمے سے معمور ہے، قرآن و احادیث کی روشنی میں آپ نے اپنے حلقہ بگوشوں کے لئے عرفان و ہدایت کے نئے اور نادر دروازے کھولے ہیں۔ ملفوظ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ کی مجلسیں ہمیشہ اکابرین دین و ملت سے بھری رہتی تھیں اور آپ کی ذات والا تبار ہمیشہ تشنگان راہ سلوک کو سیراب کرتی رہتی تھیں۔ ملفوظ میں مختلف النوع مضامین پر آپ کے گرانقدر اظہار خیال کا سراغ ملتا ہے۔ عبد اور معبود، محب اور محبوب، خالق اور مخلوق کے رشتوں کی وضاحت سے لے کر شریعت اور طریقت کے باریک گوشے تک اجاگر کئے گئے ہیں۔ تصوف کے اسرار و رموز اور علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو آپ نے دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کی تحریر و تقریر میں قرآنی احکام اور سنت نبویہ ہی کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ فلسفہ و حکمت کے نکات کو آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح وضاحت کرتے ہیں جو بالیقین اعجاز کی حد تک ہے۔ آپ کے تبحر علمی اور آپ کی فکر رسا کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ پورے ملفوظ میں آپ نے پچاسوں بزرگان دین، پچیسیوں کتب و رسائل اور بیسیوں صوفی شاعر کا حوالہ اس طرح دیا ہے کہ آپ کے علمی و عملی عمق کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ حلقہ بگوشوں کی ایک طویل فہرست بھی ہے۔ یہاں پر بے موقع نہ ہوگا اگر ان بزرگان، کتب و رسائل اور شاعروں کی ایک مکمل فہرست مجلس کے حوالہ کے ساتھ ساتھ پیش کر دی جائے۔

ملفوظ میں دیگر بزرگوں کے اقوال

شمارہ	اسمائے بزرگان	حوالہ مجلس
۱	بوعلی دقاق	۱
۲	امام غزالی	۲، ۲۵، ۳۹، ۴۸
۳	امام ابو حنیفہ	۲، ۳۹، ۴۵
۴	قاضی عین القضات	۲، ۳۰، ۳۱، ۴۹
۵	قاضی حمید الدین ناگوری	۵، ۲۰
۶	شیخ اصمعی	۱۶
۷	خواجہ جنید	۱۸، ۲۰، ۳۹، ۴۲، ۴۵
۸	مولانا علاء الدین	۲۰
۹	خواجہ سراج الدین	۲۰، ۲۹، ۳۰، ۴۰
۱۰	خواجہ سری سقطی	۲۰، ۳۹، ۴۲
۱۱	شیخ نظام الدین	۲۲
۱۲	شیخ عبداللہ مبارک	۲۳، ۴۵
۱۳	خواجہ بشر حافی	۴۲
۱۴	خواجہ جلال الدین تبریزی	۲۵، ۵۳
۱۵	مولانا معروف مفتی	۲۷، ۳۶
۱۶	مولانا احمد خانقاہی	۲۹

ملفوظ میں دیگر کتابوں کا ذکر

حوالہ مجلس	اسمائے کتب	شمارہ
۱۶، ۱۷	شرح آداب المریدین	۱
۲۰، ۲۴	تذکرۃ الاولیاء	۲
۲۳	تہذیب (مناقب خواجہ حسن بصریؒ)	۳
۲۵	ہدایت الہدایت (امام غزالی)	۴
۳۳	مسائل اخروّیا (امام غزالی)	۵
۳۵	اوراد شیخ شہاب الدین	۶
۳۶	اوراد شیخ بہاء الدین	۷
۳۸، ۵۱	حضرات خمس	۸
۴۰	تفسیر عیانی	۹
۴۰	کیمیائے سعادت (امام غزالی)	۱۰
۴۰	عوارف المعارف	۱۱
۴۰	مکتوبات شیخ مخدوم الملک	۱۲
۴۰	طوالع الشموس (شیخ حمید الدین)	۱۳
۴۲	رسالہ مکانیہ و زمانیہ (قاضی عین القضاتؒ)	۱۴
۴۲	ملفوظ شیخ نظام الدین	۱۵

شمارہ	اسمائے کتب	حوالہ مجلس
۱۶	اشعار نظامی	۴۲
۱۷	معدن المعانی	۴۵
۱۸	لمعہ (عراقی)	۴۵
۱۹	زبدہ (قاضی عین القضات)	۴۵
۲۰	شرح عقیدہ (مظفر بلخی)	۴۶
۲۱	علم الہدیٰ (شیخ شہاب الدین)	۴۶
۲۲	کلمات مولانا احمد بہاری	۴۹
۲۳	تفسیر مدارک	۵۳
۲۴	تمہیدات قاضی عین القضات	۵۷

ملفوظ میں ان شعراء کا ذکر جن کا کلام نوشہ توحید نے ارشاد فرمایا

شمارہ	اسمائے شعراء	حوالہ مجلس
۱	نظامی گنجوی	۱
۲	امام غزالی	۲، ۲۵، ۳۳، ۳۴، ۳۹، ۴۸
۳	شیخ مظفر شمس بلخی	۳، ۱۸، ۲۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۴۰، ۴۰، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۴۶، ۵۰
۴	خواجہ حافظ شیرازی کا شعر بہ فراغ دل زمانی، الخ قوال نے گایا	۳، ۴۴
۵	خواجہ سنائی	۲، ۴۰، ۵۳
۶	شیخ سعدی	۳، ۳۹، ۴۰، ۴۵، ۵۱، ۵۵
۷	خواجہ عطار	۹، ۱۷، ۱۹، ۳۵، ۳۹، ۵۰
۸	مولانا روم	۱۲، ۱۵، ۳۳، ۳۸، ۴۰، ۴۶، ۵۵

ملفوظ میں ہندی الفاظ کا استعمال

ملفوظ میں بستی کا نام

ملفوظ میں ان لوگوں کے نام جو خدمت میں حاضر ہوئے

شمارہ	اسمائے گرامی	حوالہ مجلس
۱	خواجہ ابراہیم	۳، ۳۷
۲	مولانا بہار سلیمان	۳، ۱۲
۳	شیخ محمد بہرام	۴، ۱۱
۴	شیخ احمد دامغانی	۶
۵	سید السادات سید سلیمان	۱۲، ۱۹
۶	ملک بدھ کوتوال	۱۳، ۱۹
۷	سید پیارا	۱۳
۸	خواجہ سراج الدین	۴۰، ۲۰، ۲۹، ۳۰
۹	شیخ زاہد	۴۰
۱۰	شیخ رکن الدین	۴۰
۱۱	قاضی عالم	۴۰
۱۲	مولانا بہار الدین	۴۰، ۴۴، ۳۴، ۴۲
۱۳	شیخ احمد دامغانی	۴۰، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۳
۱۴	مولانا ابراہیم	۴۲
۱۵	عبداللہ مبارک	۴۲
۱۶	مولانا سلیمان	۴۵

شمارہ	اسمائے گرامی	حوالہ مجلس
۱۷	شیخ احمد	۴۵، ۵۱
۱۸	قاضی اشرف	
۱۹	مولانا قمر الدین	۴۹
۲۰	مولانا ابراہیم حاجی	۵۰
۲۱	شیخ زادہ کبیر الدین (نواسہ شیخ فرید اجودھنی)	۵۵
۲۲	نعمت اللہ (جامع ملفوظ)	۵۷

مثنوی افتخار حسینی

فارسی ادب و شعر پر تصوف کا اثر اس وقت ہوا جب فتنہ تاتار و مغلول نے باد صرصر کی طرح اسلام کا شیرازہ امن و امان بکھیر دیا تھا۔ چونکہ شجاعانہ جذبات زوال آمادہ ہو گئے تھے، اس لئے حزن و یاس اور حرماں نصیبی کے اظہار کے سوا اور کیا رہ گیا تھا شعراء ادبا اور صوفیا، سب پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ کیا مدح اور کیا ممدوح، کیا حاکم اور کیا محکوم، وقت کے ستم ظریف ہاتھوں نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ تصوف کے مطالب معانی کے اظہار کا وسیلہ اکثر و بیشتر غزل رہی ہے۔ گویا غزل نے اپنے جلوۂ صدرنگ سے صوفی شعراء کو متاثر کیا اور انہوں نے اس کے وسیع دامن میں پناہ لی ہے۔ غزل عارفانہ افکار کے اظہار کا بہترین وسیلہ رہی ہے غزل کے بعد مثنوی کا مقام آتا ہے۔ مثنوی فنی اور ہیئتی اعتبار سے اس بات کی متحمل ہے کہ مطالب معانی کو شرح و تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ ایک تو اس کا ہر شعر قافیہ کے اعتبار سے مفرد ہوتا ہے دوسرے اس کے اشعار کی تعداد کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا احساسات قلبی اور ہیجانات درونی کے بالتفصیل اظہار کے لئے مثنوی سے بہتر اور

کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے مثنوی کو ذریعہ بنایا۔ عقائد تصوف اور فلسفہ کے باریک نکات اکثر ہمیں مثنوی کے قالب میں ملتے رہے۔ مثنوی حدیقہ سنائی، عطار کی منطق الطیر اور مولانا روم کی مثنوی معنوی کو ہم یہاں پر بطور نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ فن مثنوی اور تصوف و عرفان کے معیار پر درج بالا مثنویاں پوری اترتی ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے یہ مستقل سنگ میل اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتی رہیں۔

چونکہ حضرت نوشہ توحید کی مثنوی افتخار حسینی اب تک قعر گمنامی میں پڑی رہی لہذا میں اس کو اجاگر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں تاکہ علمی و فنی اعتبار سے اس کا مقام متعین ہوسکے۔

مثنوی افتخار حسینی مثنوی مولانا روم کے طرز پر لکھی گئی ہے بحر بھی وہی ہے اور انداز بیان بھی وہی ہے مثنوی کے ابتدائی اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی رومی کو سامنے رکھ کر یہ مثنوی لکھی گئی ہے۔ اکثر جگہ رومی کے اشعار اس مثنوی میں حسن و خوبی کے ساتھ بعینہ چسپاں کر دیئے گئے ہیں۔ مثنوی کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بشنو از نے ایں حکایت را بہ دل — تار و د آلا گشت از آب و گل
شد جدائی از نیستانم و بال — باز می خواہم بہ اصل خود وصال
من بہر کس چوں صبا آمیختم — ہمچو شبنم خونِ دل را ریختم

سر من از نالۂ من دور نیست ۔۔۔ لیک چشم و گوش را آں نور نیست
تن ز جاں و جاں ز تن مستور نیست ۔۔۔ لیک کس را دید جاں دستور نیست
عشق آتش ہست اماں نیست باد ۔۔۔ ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد
ہر کہ بجز ماہی ز آتش سیر شد ۔۔۔ ہر کہ بیروں زیست روشن دیر شد

اقتباس بالا سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مولانا روم کی مثنوی سامنے رکھ کر یہ مثنوی لکھی گئی ہے اور موقع بہ موقع رومی کے اشعار داخل کئے گئے ہیں۔ تمہید کے بعد لکھتے ہیں ؎

باز بشنو نے حکایت می کند ۔۔۔ با دم محزوں شکایت می کند

یہ شعر بھی مولانا رومی ہی کے شعر کی صدائے بازگشت ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند ۔۔۔ از جدائی ہا شکایت می کند

مثنوی افتخار حسینی کے مصنف نے تمہید میں اپنے استاد یعنی پیر و مرشد کا ذکر بڑی بلند آہنگی سے کیا ہے اور ان کے مناقب حسن و خوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ بطور نمونہ یہاں پر چند اشعار پیش کرتا ہوں ؎

بود مارا اوستادی دلپذیر ۔۔۔ خضر وقت خود لشیر و بی نظیر
کے تواں گفتن ز حال او نشاں ۔۔۔ ہر نفس می داد مارا نور جاں
از فنائے خویش گشتہ چوں بلال ۔۔۔ بود چوں روح مجسم در خیال
جان او پیوست دائم یا احد ۔۔۔ وصف او را قل ھو اللہ الصمد
ہستی خود ساختہ تاراج او ۔۔۔ با محمد مصطفےٰ معراج او

درج بالا اشعار تو اپنے پیر و مرشد کے مناقب کے ہوئے۔ شاعر نے ان کے نام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ کہتے ہیں ؎

واجب آمد چوں کہ آمد نام او — شرح رمزی کردن از انعام او
سالہا بودم چوں موسیٰ با خضر — نور شمس افتاد بر روئے قمر
شمس چہ بود شمس را ابرو کجا — آیت واللیل آں گیسو کجا

ان اشعار سے صاف پتا چلتا ہے کہ شاعر کے پیر و مرشد شمس تھے جن کا پورا نام مظفر شمس بلخی تھا اور حضرت مظفر شمس بلخی کے پیر و مرشد حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیری تھے جن سے شاعر کو حد درجہ عقیدت تھی اور کہا جاتا ہے کہ آپ انہیں سے بیعت بھی تھے۔ مخدوم جہاں کی شان میں یوں گویا ہیں ؎

بود شرف الدین یحییٰ جان من — جاں چہ باشد جانِ جانِ جان من
بود زانم وصف گفتن گشت شاق — تو کہ آمد یاد مارا الفراق
چوں شدہ خورشید جانم زیر میغ — اے دریغا اے دریغا اے دریغ
شد ز ہجرت ہفتصد و ہشتاد و پنج — بود زیر خاک پنہاں گشت گنج

آخری شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کا انتقال ۷۸۵ھ میں ہوا۔ مگر دیگر ذرائع سے وصال کا سال ۷۸۲ھ ہے اور "زیر شرف" مادہ تاریخ ہے۔ شواہد بالا کی بنا پر مثنوی زیر بحث کے مصنف حضرت حسین نوشہ توحید ہی ہیں۔ اس مثنوی کا اصل نام "افتخار حسینی" ہے اور چونکہ اس میں چہار

درویش کی حکایتیں نظم کی گئی ہیں اس لئے یہ مثنوی "چہار درویش"[1] کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی دلچسپ ہے کہ مثنوی افتخار حسینی مولانا روم کے تتبع میں لکھی گئی ہے اور اسی مثنوی کی طرح چھ دفاتر پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی رومی کی طرح ضخیم تو نہیں۔ اس میں کل ۴۲۵۳ اشعار ہیں۔ رومی کی مثنوی میں ۲۶ ہزار اشعار ہیں۔ خود مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ یہ مثنوی رومی کی پیروی میں لکھی گئی ہے ؎

مقصدِ من پیروی مولوی
بر طراز او بگویم مثنوی

مثنوی مولانا روم کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں ؎

زندہ گردی قطرۂ گر زاں چشی	ہست قرآں در زبانِ فارسی
مغز قرآں را ہمہ بر داشتہ	در دماغ عارفاں انداختہ
نیک می دانی بلندش پایہ است	زانکہ او از شمس روشن سایہ است
شمس تبریز آنکہ باشد در حجاب	پیش رویش ہمچو سایہ آفتاب

یہ بھی عجیب اتفاق حسنہ ہے کہ رومی کے پیر و مرشد بھی شمس تھے اور حسین نوشہ توحید کے پیر و مرشد بھی شمس تھے۔ ایک شمس تبریزی اور دوسرے منظر شمس بلخی رح۔ مثنوی افتخار حسینی کا ایک قلمی نسخہ شاہ تقی حسن بلخی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ میرے سامنے بھی

---

[1] وسیلۂ شرف

وہی نسخہ ہے۔ اس کے کاتب مجیب اللہ معروف بہ محمد کبیر الحسن ہیں۔ ہر دفتر کے اخیر میں کاتب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت اور مقام کتابت کی اطلاع بھی بہم پہونچائی ہے۔

(۱) دفتر اول (نسخہ قلمی) ص ۱ تا ۹۳ پر مشتمل ہے۔ دفتر اول کی ابتدا اس شعر سے ہے ؎

بشنو از نے ایں حکایت را بہ دل
تا رود آلائشت از آب و گل

اس کا آخری شعر یوں ہے ؎

سر حق را کس نہ داند غیر حق
بس کنی قصہ قلم گردیدہ شق

دفتر اول کے اشعار کی تعداد ۱۳۷۵ ہے اور اس کا ترقیمہ یوں ہے:۔

"تمام شد قصۂ درویش دفتر اول بتاریخ پانزہم ۱۵ ماہ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ نسخہ افتخار حسینی بقلم عاصی زمن محمد کبیر الحسن عفی اللہ عنہ"

(۱) دفتر دوم (نسخہ قلمی) صفحہ ۹۴ تا ۱۹۴ پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

بشنو از تائیت جاں می دہد
از نفخت نور ایماں می دہد

دفتر دوم کا آخری شعر یہ ہے ؎

چونکہ ایں قصہ نمودم من تمام   ختم کردم بس سخن را والسلام

اس دفتر میں اشعار کی تعداد ۸۲۳ ہے۔ اس کا ترقیمہ یوں ہے:

"تمام شد قصہ درویش دوم بدفتر مثنوی افتخار حسینی بواقع تاریخ بست و یکم ۲۱ شہر ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۸ھ بخط خادم ناقص ارقام عاصی زمن محمد کبیر الحسن ساکن موضع کندونی پرگنہ اتیل ضلع گیا بمقام محلہ لودی کٹرہ منصلات بلدہ عظیم آباد بہ عالیشان بمکان حکیم منشی مولوی سید امیر صاحب مدظلہ العالی۔"

(۳) دفتر سوم (نسخہ قلمی) صفحہ ۱۵۰ تا ۲۱۷ پر مشتمل ہے۔ دفتر سوم کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

بشنوید ای دوستاں ایں قصہ را
می برد از دل و جانہا غصہ را

دفتر سوم کا آخری شعر اس طرح ہے ؎

قصۂ خود را نمودم من تمام
حالیہ درویش گوید والسلام

اس دفتر میں اشعار کی تعداد ۱۰۰۶ ہے۔ اس کا ترقیمہ یوں ہے:

"تمام شد قصۂ بادشاہ بتاریخ بست و ہشتم ذی الحجہ ۱۲۹۰ھ دفتر سوم مثنوی افتخار حسینی۔"

(۴) دفتر چہارم (قلمی نسخہ) صفحہ ۲۱۸ تا ۲۴۴ پر مشتمل ہے۔ اس دفتر کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

بشنوید ایں قصہ را ای دوستاں حصہ را یابید تازیں بوستاں

دفترِ چہارم کا آخری شعر یوں ہے ؎

ختم کردم قصہ خود را تمام

بعد ازاں گویم صلوٰۃ والسلام

اس دفتر میں اشعار کی تعداد ۱۱۷ ہے۔ دفترِ چہارم کا ترقیمہ اس طرح ہے:

"تمام شد قصہ درویش سوم دفترِ چہارم مثنوی افتخارِ حسینی بتاریخ ۶ر محرم الحرام ۱۲۸۰ھ بقلم عاصی زمین محمد مجیب اللہ معروف بہ کبیر الحسن ساکن موضع کندوئی پرگنہ ایکل ضلع گیا۔"

(۵) دفترِ پنجم (قلمی نسخہ) صفحہ ۲۴۵ تا ۲۶۲ پر مشتمل ہے۔ دفتر کی ابتدا اس شعر سے ہے ؎

بشنوید از نے تمامی ماجرا

تا نماند از جدائی شکوہا

دفترِ پنجم کا آخری شعر اس طرح ہے ؎

حالیہ من ہم بخدمت آمدم

منتظر گردیدہ بر فضل و کرم

اس دفتر میں اشعار کی تعداد ۲۵۰ ہے اور اس کا ترقیمہ یوں ہے:

"تمام شد دفترِ پنجم بہ افتخارِ حسینی"

(۶) دفترِ ششم (نسخہ قلمی) صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶۹ پر مشتمل ہے۔ اس دفتر کی ابتدا اس شعر سے ہے ؎

بشنوید ای دوستاں عالی مقام خاتمہ را ہر چہ نے گوید تمام

اس دفتر کا آخری شعر یوں ہے ؎

باز راہ آں نیستاں را بگو

بال و پر افشاں چوں طوطی بگو

اس دفتر میں اشعار کی کل تعداد ۸۰ ہے۔ اس کا ترقیمہ اس طرح ہے:-

"تمام شد دفتر ششم افتخار حسینی بتاریخ یازدہم ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۹۰ھ مطابق بست و ہفتم ماہ پھاگن سنہ ۱۲۸۰ف در شہر عظیم آباد و بہ محلہ لودی کٹرہ بمکان حکیم سید محمد امیر صاحب مدظلہ العالی بقلم عاصی زمن خادم طلباء مجیب اللہ معروف بہ محمد کبیر الحسن"۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مثنوی زیر بحث اب تک عام نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور عام طور پر نوشہ توحید ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حضرت نوشہ توحید کے حالات جن ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں وہاں سرے سے اس مثنوی کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ ہماری معلومات میں اضافہ "وسیلۂ شرف" سے ہوتا ہے جس کے مصنف نے حضرت نوشہ توحید کی تصانیف کا جہاں ذکر کیا ہے اس میں ان کی صرف دو مثنویوں کے نام گنائے ہیں۔ یعنی مثنوی "چہار درویش" اور مثنوی "زاد المسافرت"۔ موخر الذکر مثنوی سرے سے حضرت نوشہ توحید کی تصنیف نہیں ہے جس پر بحث آئندہ صفحات میں آئے گی مثنوی افتخار حسینی کا اب تک واحد نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ دوسرا مخطوطہ باوجود تلاش کے میری نظر سے اب تک نہیں گذرا۔

دیوان حضرت حسین نوشہ توحید بلخی

(۱)

ای صفائی چہرۂ تو داد صوفی را صفا
سجدہ گاہ ابرویت محراب اہل اصطفا

زلف و عارض چوں ید بیضا و مار سوی
خال و خطش چوں بلال ہمنشین مصطفیٰ

گہہ دو لعلش بادہ گردد گہہ خورد خون جگر
گہہ دو چشمش دل نوازد گہہ کند جور و جفا

یار زیبا گر زند خنجر بفرقم[۱] دم مکش
کاندریں رہ شرط کار دوستی باشد وفا

گر حسینؒ از تیغ ہجراں کشتہ گردد باک نیست
ہر حسینؒ عاقبت دارد یزیدی در قفا[۲]

---

۱ فرق ۔ نسخہ منیر
۲ ہر حسینؒ سر عاقبت دارد بریدن از قفا ۔ نسخہ منیر

(۱)

گر من از رخ بر کشایم پردۂ تلبیس را
در نظر فرق نماند آدم و ابلیس را

گر ملک را وا نمایم روی خود از تیرہ خاک
روح قدسی ترک آرد سجدۂ تقدیس را

خضر با علم لدن بر جہل[1] خود گردد مقر
از کتاب خود اگر دعویٰ کنم تدریس را

گر ز تار عشق بیروں آورم یک شعلہ
دوزخ نمرود سازم جنت ادریس را

آدم و ابلیس آرد سجدہ پیشت ای حسین[2]
گر من از رخ بر کشایم پردہ تلبیس را

۱؎ از ــــ نسخہ منیر

۲؎ پیش حسینؑ ـ نسخہ منیر

○

از عرش برتر است نظرگاه جان ما
نی نی ورای عقل کل آمد جهان ما

ما در جناب حضرت مولا یگانه ایم
آری دوئی روا نبود در میان ما

سیمرغ وار گوشۂ وحدت گزیدہ ایم
بیرون ز ہر دو کون طلب آشیان ما

ہر کس بدین خویش گرفتند قبلۂ
شد روئی دوست قبلۂ جان و روان[۱] ما

۱؎ واؤ ندارد ۔ نسخہ منیر
جان روانِ ما

شبہات عقل و علم کہ حسی و درسی اند[۱]
عقل کل است و[۲] علم لدنی ازان ما

---

۱ سہل است عقل و علم کہ ہستی حسین تو - نسخہ منیر
۲ واو ندارد - نسخہ منیر

(۴)

نگہے کن یکدمی بیچارگاں را
تفحص کن زمانی کشتگاں را

نفیر از دست ہندوی غم تو[۱]
بر آمد ہر طرف واماندگاں را

چو قبلہ طاق ابروی بتاں شد
سجود آورد جاں مہ پارگاں را

بخاک آستانت[۲] جبہہ سودن
سر و ساماں بود آوارگاں را

ندائی کشتن عشاق برخاست
بشارت دہ حسینؔ افتادگاں را

۱؎ بنفیر از دست بیدادی تو غمہا۔ نسخہ منیر
۲؎ آستانش۔ نسخہ منیر

(۵)

شہی کہ ملک دو عالم جمال حضرت اوست
قبای کون و مکانش کمینہ[1] کسوت[4] اوست

ظہور نور تجلی کہ بر جبین بتافتست[2]
ہمہ لطافت و خوبی ہمہ ملاحت اوست

جمال[3] منظر نیکو ہر آنچہ در نظر است
چو نیک بہ بینی کمال طلعت اوست

اگرچہ صورت اشیا تعدد است ولیک
ہمہ حقیقت اشیا شمول وحدت اوست

نہ انتظار بقایش کشد حسین گہی
کہ در مقابل چشمش ہمیشہ صورت اوست

---

۱ کمین ۔ نسخہ منیر ۲ بتافت ۔ نسخہ منیر
۳ جمال و نیکو و منظر ۔ نسخہ منیر ۴ بکسوت ۔ نسخہ منیر

(۶)

ما شاء الله نظر بروی تو فردوس اکبر است
فردوس بی جمال تو نزلی محقر است

پا بر سریر ملک دو عالم کجا نهد
کیخسروی که تاج خدائیش بر سر است

موسی وشم ز شاخ درخت وجود خود
در گوش جان ندای انا الحق مقرر است

مطرب بیا و نغمهٔ عشاق را نواز
ساقی بیار باده که محبوب در بر است

از جزو و کل هر آنچه تصور کند خیال
هر ذرهٔ ز نور حقیقت مصور است

ﻪ این غزل در نسخهٔ منیر نیست

۷

ترسا بچهٔ نگار سرمست
از ناوک غمزه جان ما خست

از حلقهٔ زلف کرده زنار
بر بست میان و حلقه بر بست[1]

ببرید[2] دلم[3] ز دین و ملت
با مذهب عشق دی[4] به پیوست

هر صاحب خرقهٔ که دیدش
زنار بروی خرقه بر بست

---

[1] بر بست میان حلقهٔ بست۔ نسخہ منیر [2] پرسید۔ نسخہ منیر
[3] رقم۔ نسخہ ف [4] او۔ نسخہ منیر

این طرفه نگر کہ چشم مستش
بی تیر و کمان و قبضہ و شست

دنبال حسین کرد عمداً
تا قلب خسرو[1] بقہر بشکست

در حلقۂ[2] جعد وی دلی را
نی پای خلاص[3] ماند نی دست

---

[1] قالب خود - نسخہ منیر
[2] خانۂ - نسخہ منیر
[3] خلاب - نسخہ منیر

(۸)

مرا[1] دل بردن از خوباں محال است
حذر کردن ز بردن جاں محال است

نہال عشق وی در باغ جاں نااست
ولی برخوردن از خوباں محال است

سر گیسوی خوباں چوں پریشانست
سر کار مرا ساماں محال است

مدہ فرصت طبیبم بگذر از سر
کہ درد عشق را درماں محال است

بخیز از راہ من یا از سر جاں
بلی ایں امتحانم آں محال است

---

[1] ایں غزل در نسخۂ میر نیست

(۹)

در کائنات ہرچہ بظاہر[۱] مقید است
از مخزن وجود برین شکل آمدست

بحر قدم چو موج برآرد[۲] نظیر خویش
آنرا حدوث خواندن در شرع احمد است

در معرفت مقام ندیدم[۳] ورای این
کین صورت و معانی[۴] یکذات واحد است

طاعات عابدان و ریاضات زاہدان
در طور عشق بازی چون کار بیہد است

---

۱ بصورت ۔ نسخہ میر — ۲ برآورد ز بطن خود نسخہ منیر
۳ ندیدن ۔ " — ۴ معنی "

۱۰

ای روی تو قبلهٔ مناجات
بی روی تو کعبها خرابات

هر لفظ که بی تو گشت ملفوظ
گیرند سخنوران بطامات

چشم تو کند برای کشتن
پیوسته برابر[1] وال اشارات

من از تو بهیچ برنگردم
گر جان برود بروکه هیهات

عاشق نبود بهیچ روئی
دربند ارادت و مرادات

---

[1] بابروان - نسخهٔ منیر

۱۱

همگی صنع خدای است که در دیده در آید
دیده جز دیدن صانع بدگر کس نگراید

سلب ارواح مقدس نکند مستی خاک
دل شوریده بجز نور تجلی نزباید

کار عالم همه تلبیس و فریب است و دغا
چشم تلبیس بجز علت کوری نفزاید

این همه خال و خط بر رخ زیبا که تراست
گر بگویند بروی تو که پیداست نشاید

احول از دیدهٔ پندار دوئی بیرون کن
تا یکی بینی و دانی که ترا دست بر آید

آنچه در دیده رهی را بصد آشوب نهانست
گر ازان نکته بگویم بجهان شور بر آید

۳

پردهٔ روی دلارام همین روی دل آماست
ورنہ محدود نباید کہ پس پردہ بنماید

---

۱ نہ ہمہ صنع خدائی ایست کہ در دین آید
دیں بجز دیدن صانع نہ دگر کس بنگشاید — نسخۂ منیر

۲ ایں ہمہ خط و خال و رخ زیبا کہ تراست
گر بگویند کہ بر روئ تو پیداست نشاید — ''

۳ پردۂ روئ دلارام ہمیں روی دلارام تست
ورنہ محدود نباید کہ پس پردہ بر آید — ''

(۱۴)

باز بر سوئی[1] طرب آغاز شد
باز بلبل با چمن ہمراز شد

باز گلہا از چمن پیغام داد
باز شوق دلبراں آغاز شد

باز آں خم ہای وحدت جوش زد[2]
باز بادہ با قدح دمساز شد

باز شوری در نہاد ما نہاد
باز آں زیبا پسر در ناز شد

باز بشکستہ قفس[3] جان حسین
باز مرغ جانش در پرواز شد

---

[1] سوئی باغ - نسخہ منیر [2] داد - نسخہ منیر
[3] قفس - نسخہ منیر

(۱۴۳)

هر که[1] او سر به تهِ پای سگان تو نه سود
حاصل عمر زیان کرد وازیں مایه چه سود

ای چنیں شکل و شمایل قد موزوں که تراست
نه کهی بود[2] نه هست اینْدم و نی خواهد بود

بی تو در صومعه[3] جان نبود نور حضور
بی تو در مدرسه دل نبود گفت و شنود

هر چه دیدیم و شنیدیم همه هستی اوست
نیست در هر دو جهاں غیر وجودت موجود

همه انوار تجلی برخت دید حسین[4]
زاں بمحراب دو ابروی تو آورد سجود

---

[1] منکه. نسخهٔ منیر [2] نه کهی بود نه اینْدم نه کهی خواهد بود. نسخهٔ منیر
[3] زاویه " [4] جمال. نسخهٔ منیر

(۱۴)

امروز چنانی که غلام تو توان بود
در بند خم حلقهٔ دام تو توان بود

چون باد صبا عاشق زلف تو توان شد
چون خاک زمین بندهٔ گام تو توان بود

هر آہن برندہ و ہر آتش سوزاں
صد سال بامید پیام تو توان بود

در کام تو آنست که از تن[له] ببری جاں
از بہر رضائی تو بکام تو توان بود

صد[ته] سال بامید کلامی چو حسینی (کذا)
چون معتکفاں بر در بام تو توان بود

له که چون می بری جانها۔ نسخهٔ منیر

ته ایں شعر در نسخهٔ منیر نیست

۱۵

ساليها[۱] راه وصال تو دلم مى پيمود
تا كه از مطلع جان حسن جمال تو نمود

خود مكانش بسرا پرده ارواح نهان ست
آنكه ما را ز فراقش جگر و جان فرسود

آنچه از طلعت زيبائى تو در چشم[۲] من است
صنعت احسن صورت همه انوار تو بود

رخت از پرده دل راز انا[۳] وا ميگفت
دلم اين حكم ز لعل تو بجان مى شنود

همه انوار تجلى برخت[۴] ديد حسين
زان بمحراب دو ابروى تو آورد سجود

---

۱ كذا   ۲ در چشم آمد نسخه مير
۳ انى انا الله مى گفت نسخه مير   ۴ بر قشا ،،

(۱۶)

جمال پرتو جبان قلندر
ز نور پاک حق گشته منور

نگارا چند کی با پرده باشی
که تو مائی و ما با تو سراسر

که میگوید که حق صورت نبندد
من دیده ام عین مصور

قتیل راه وصلت را دمادم
همیشه خنجر هجر است بر سر

ز هر قطره که از خونش بریزد
بر آید نقش از الله اکبر

دلا برزن کنون کوس بشارت
که ملک لایزالی شد مقرر

نگنجد ظلمت حرمان درینجا
حسینؑ از وجه تو چون شد منور

۱۷

چرا احوال غم خواران رنجور[1]
نمی پرسی ز چشم مست و مخمور

چه کم گردد اگر به نمائی خود را
قدم رنجه کنی بنوازی از دور

حدیث لعل تو انگاه هشیار
هوای روی تو انگاه مستور

غمت باز لیست ای شه بهر صیدش
دل بیچاره ام چون مرغ عصفور

حسین از باده لعلش[2] مست گشته
خرابی حال و قتش باد معمور

---

[1] مهجور۔ نسخہ منیر [2] فک اضافت

(۱۸)

ای[۱] دلبرا گز شکل تو هر غمزه تیری بر جگر
پیش کمان ابروی تو دنهای مشتاقان سپر

خال سیه هند و صفت از کفر پیغام آورد
اسلام ما غارت نهد در خانه و در رهگذر

از زلف پیچا پیچ تو عشاق سرگردان شده
مسکین دل شیدائی من از وی که بگوید خبر

زاهد بیاد لعل تو از کعبه در بتخانه شد
صوفی بدور چشم تو مستان و غلطان در بدر

مسکین حسینؔ خسته را آتش زدی اندر جان و تن
او نیز چون من سوخته گوشده بی پا و سر

---

[۱] این غزل در نسخهٔ میز نیست

(۱۹)

چنیں گوید حکیم خوب گفتار[1]
کہ پندم را چو دُر در گوش میدار

ہر آں کو بادہ در مجلس بنوشد
رود آخر دواں در کوی خمار

خرد منداں نصیحت پاس دارند
خزاں اندر خلاب افتند ہربار

صلاح و فسق را خلوت بباید
وگرنہ شرم برخیزد بہ یکبار

---

[1] ایں غزل در نسخہ نیز نیست

۲۰

تا بملک فقر من عالی لوا آورده ام
پای همت بر سر اوج علا آورده ام

از جناب اشرف کونین ختم انبیاء
خاک تم الفقر بهر طوطیا آورده ام

مس قلب غافلاں را زر کنم از یک نظر
کز ره اکسیر عشق این کیمیا آورده ام

از سواد الوجه رمزی بود پنهاں لیک من
آشکارا از ردار کبریا آورده ام

سر فقر از رمز قول من رآنی خوانده ام
تا ندانی کیں سخن از جا بجا آورده ام

در حریم قدس فقر از ذره ذره کائنات
گوهری از کنت کنزاً بی بها آورده ام

این غزل در نسخهٔ مخزن نیست
م-

عقل گوید عشق بازی در ضلالت افگند
عشق گوید ایں ضلال از انبیا آوردہ ام

فقر از سودائی خود گوید کہ من یکرہ دیدہ ام
ہر چہ دارم رخت خود پیش شما آوردہ ام

از ازل ایں رنگ رویم تا ابد تبدیل نیست
در میان صبغۃ اللہ ایں گرا آوردہ ام

مصطفیٰ مختار حق شد من شدم مختار او
ایں فضیلت از ثریا تا ثرا آوردہ ام

گر بخوانم[۱] از فضائل سر کشم بر آسماں
لیک اوج آسماں را زیر پا آوردہ ام

فقر یکرہ نگست کانجام دوئی را راہ نیست
ایں حدیث از صوفیان با صفا آوردہ ام

۱؎ ایں لفظ در نسخہ خطی گنج لامخفی بر صفحہ ۱۶۹ مملوکہ شاہ تقی حسن بلخی فتوحہ یافتہ می شود و ایں لفظ زیادہ موزوں است۔

نعرهٔ ارنی کلیم از ناتمامی فقر بود
منع رویت زاں سبب درکن ترا آوردہ ام

چوں نصیب یار حسن خود پرستی آمد است
پس نصیب ما خود از انظر الی آوردہ ام

شاہ لولاک از تمامی فقر جامی خورد و گفت
نقل فھو اللہ بہر ہر گدا آوردہ ام

دیدهٔ از فقر باید تا خدا بینی کنند
خاک فقر از بہر ایں کحل عمیٰ آوردہ ام

از طفیل قطب عالم شیخ برہان الہدیٰ
کحل مازاغ البصر از مصطفیٰ آوردہ ام

اندریں جاگہ تجلی گاہ باشد استتار
زیں تلون سوی تمکیں التجا آوردہ ام

تا فقیر از بوی وحدت نیست گردد در چمن
بلبل مستان وحدت در نوا آورده ام

فقر چیست از وجه در ذات آمدن حق بین شدن
شرح این اسرار معنی با صفا آورده ام

چون رسد در نقش تم الفقر گردد آشکار
زو عبارت در بقا هم در فنا آورده ام

ذات و وجه و نفس وانگه با صفات و اسم و فعل
جامعه با فارقه از ابتدا[1] آورده ام

امتداد ذات با این هفت دریا بهر نفس
شرح تم الفقر فهو الله را آورده ام

از برای علت معلولیان در راه فقر
شربت توحید از دار الشفا آورده ام

---

[1] ابتدا - نسخہ خطی گنج لا یخفیٰ

زیں تجلی بحر وحدت موج تمکیں می زند
دُر و گوہر زیں تجلی دائماً آوردہ ام

صد ہزاراں حمد ایزد را کہ من در کار فقر
از شعار الصالحیں صد مرحبا آوردہ ام

(۲۱)

من[۱] جام دُرد خوارم اللیت لیت لیتم
باکس چه کار دارم اللیت لیت لیتم

از جام عشق مستم واز یاد من برستم
بیرون زنیست و هستم اللیت لیت لیتم

استاد بی نظیرم برجان و دل امیرم
در دیده و ضمیرم اللیت لیت لیتم

امروز کیقبادم از نور حرف زادم
در ایں دہاں کشادم اللیت لیت لیتم

نی پیر خانقاہم نی بندہ مال و جاہم
نی این و آں بشناسم اللیت لیت لیتم

---

۱ ۔ ایں غزل در نسخہ منیر نیست

نہ قلندری امستم نہ خوارقی شدستم
نہ بحیدری نشستم اللیت لیت لیتم

اللیت بیں کہ یارا چوں الفت تو مارا
یک کرد ما شمارا اللیت لیت لیتم

اللیت اربدانی از خویش باز مانی
جز ایں دگر نخوانی اللیت لیت لیتم

اللیت سر یار است غم را از و کنار است
مارا بما چہ کار است اللیت لیت لیتم

احرلیق پا کبازم از کفر داد سازم
ہم دین و کیش بازم اللیت لیت لیتم

نی مرد پارسایم نی زہد را سزایم
ہر جا کہ رخ نمایم اللیت لیت لیتم

میداں سواک کلّا مافی وجو لسیّما
برہان ایں لوّلا اللیت لیت لیتم

عینی الیک ناظر فی قرب قاب حاضر
زیں شیوہ ماہی نادر اللیت لیت لیتم

ہر سو کہ روی آرم از حسن شہریارم
نقش دگر نگارم اللیت لیت لیتم

حسن الحبیب حالی لا بعدہ وصالی
من قولہ سعالی اللیت لیت لیتم

ساقی شراب دردہ روزیں صداع عودہ
رقصی بزن وبرجہ اللیت لیت لیتم (کذا)

خامش اگر بگویم من گفت با بشویم
بی باد سر بپویم اللیت لیت لیتم

مارا زمن زبودی در سینہ در کشودی
چیزی دگر نمودی اللیت لیت لیتم

اللیت نور صرفست بیروں زصوت و حرفست
واں در دلی شگرفست اللیت لیت لیتم

بی دستگیر دستم چو قرابہ ہا شکستم
بی پائی خویش خستم اللیت لیت لیتم

(۲۴)

ما سترِّ جمال کبریائیم
در ملکِ وجود بادشائیم

خورشید رود به برجِ خلوت
گر طلعتِ خود بدو نمائیم

ہر قوم بقبلۂ گرایند
ما حاصلِ جملہ قبلہ ہائیم

از غمزۂ[1] دلبراں بشوخی
از خلق ہمیشہ دلربائیم

دانی بدو کون کیست پیدا
مائیم زراہ لطف مائیم

---

[1] در چہرۂ ۔ نسخہ منیر

تا چشم بہ بستہ ام ز اغیار
در خوبی خویش مبتلائیم

آں چیز کہ غیر ما بگفتند
آنرا تو بداں کہ جملہ مائیم

(۲۳)

ما خودی را جمله در توحید ناب افگنده ایم
صورت تلبیس را از رخ نقاب افگنده ایم

گریہ ہجراں می سپارد یا وصالش می دہد
دل بغم[1] چوں نمک اندر کباب افگندہ ایم

ہوش و ترس او منع اندر سماع آوردہ ایم
زاں نواہای[2] حقیقت در رباب افگندہ ایم

گہ بشہر عشق جاناں ہمچو عنقا می پریم
گہ چو بوم عقل سایہ در خراب افگندہ ایم

پارسایاں اندریں رہ بت پرستی می کنند
ما ورع در جام و تقوی در شراب افگندہ ایم

---

[1] بالیقیناً۔ نسخہ ف [2] نواہا کز حقیقت۔ نسخہ ف

۲۴

عزم آں دارم کہ آتش در نہاد خود زنم
شاخ ہستی را ببرم بیخ ہستی برکنم

گہ بریزد خوں ز خنجر زیر چشمش[1] خون دل
مدعی ام گر سر از پای تو جاناں برکنم

بعد ازیں مائیم و نقلی از جگر پرکالہا
پس[2] ازیں از خون دل جامی بہ بزم آفگنم

می توانم چوں کند دوران گردوں زیں دو کار
دست من در گردنش یا تیغ او بر گردنم

گر حسینا از دست غمہا جان دہد عمر تو باد
مژدہ وصلت دہد آخر صلا اینک منم

---

۱ چشمت ۔ نسخہ منیر
۲ پس ازیں از خون دل ریزم ۔ نسخہ منیر

(۲۵)

منکہ در کنگرۂ عشق تو لا زدہ ام
منکہ بر عین دو عالم بہ تجلی زدہ ام

چوں بخلوت گہ صوفی بجز الّا نبود
غم الّا نخورم زانکہ ہمہ لا زدہ ام

بفلک گر علم جاہ برآرم شاید
کہ زدارات شہی کوس تولا زدہ ام

بہ خسیس زر و مال تو فرو نارم سر
کہ من از اوج علا پائے بر اعلیٰ زدہ ام

یعلم اللہ بہ طفیل شرف الحق امروز
خیمہ بر طارم گردون بمعلی زدہ ام

ف منکہ در کنگرہ عشق تو تلاّ زدہ ام ۔ نسخہ میر

142 → M

۲۶

ازان[1] جامی که از ساقی روان در کار می بینم
برین باده هر جانب[2] سرود ستار می بینم

بدور چشم میگونش رواجی هست تقوی را
قماش زهد را هر سو درین بازار می بینم

کسان در مصحف رویت یکی فرقان[3] همی خوانند
من اندر نون ابرویت یکی هر چار می بینم

جهان گویند چون خار است بی گلشن تعالی الله
که من در زانی معلم همه گلزار می بینم

حسین از سر بدل افگن همه پندار وحدت را
که در تو بر سر هر موی دو صد زنار می بینم

۱؎ در نسخهٔ منیر نیست ۲؎ هر سوئے ، مونس القلوب مجلس ۴۴
۳؎ قرآن ، مونس القلوب نسخهٔ منیر

(۲۷)

غرقۂ بحر بی کراں مائیم
گاہ موجیم و گاہ دریائیم

چوں دوئی نیست درمیانۂ ما
ما ہمہ او و او ہمہ مائیم

ما بداں آمدیم در عالم
تا خدا را بخلق بنمائیم

یار ما عین نور دیدۂ ما است
لاجرم ما بعین بینائیم

گر کسے صورت خدا طلبد
روی خوباں حسین بنمائیم

(۲۸)

از شوق روی دوست چو دیوانه گشته ایم
از خویش و آشنا همه بیگانه گشته ایم

یک جرعه می چو از لب لعلش چشیده ایم
رند و شراب خوار به میخانه[۱] گشته ایم

جاں را ز تحفه پیش سگان تو برده ایم
زاں با سگان کوی تو همخانه گشته ایم

روز ازل چو شمع جمال تو دیده ایم
بر آتش جمال تو پروانه گشته ایم

همچوں حسین از سر جاں در گذر گر مست
از جاں گذشته ایم که جانانه گشته ایم

---

۱ میخوانه - نسخه ف

(۲۹)

عاشقاں را در خراب آبادی بینم وطن
نی حریم کعبہ انجانی سرایِ اہرمن

از خم وھو معکہ[1] بادہا ہر سو سبیل
دز سماع نحن واقرب غلغلہ در انجمن

شاہدی دیدم من انجا بوالعجب میخوارہُ
می زخون عاشقاں و نقل وی از جان و تن

خاک[2] و باد و آب و آتش پردہ داری میکند
در میان عین آں نور تجلی ذوالمنن

شمع رو کشید آتشی زد در حسینا وگفت ورفت
خرم آں جانی کہ شد شمع جمالش را لگن

---

[1] شراب نسخہ منیر [2] ایں شعر در نسخہ منیر نیست

(۳۰)

تا که رخ تو وقف کرد آتش غم بجان من
گشت سپند روی تو جان من و جهان من

حاصل عمر صرف شد در هوس[1] جمال تو
چاره کار من نه شد ای همه مهربان من

یا برسم بکام[2] خود در طلب وصال دوست
یا ببرد هوای او[3] نام من و نشان من

کوه احد نیاورد طاقت بار یکدمی
آنچه زهجر می کشد این دل ناتوان من

برز حسین ای صبا پیش رفیق عهد من
من نشدم از آن[4] تو تو نشدی از آن من

---

[1] طلب ۔ نسخہ منیر [2] دل ۔ نسخہ منیر
[3] تو [4] غلام ۔ نسخہ ف

٣١

خال او فتوی دہد کز کعبہ در بتخانہ شو
زلف او دعوی کند گر عاقلی[1] دیوانہ شو

بر دل مشتاق آید ایں خطاب از عارضش
کعبہ را یکسو بنہ بیزار از بتخانہ شو

گر عیاں خواہی کہ بینی روی یار جانفزا
پای را بر فرق خرد[2] نہ عاشق دیوانہ شو

ای صدف[3] در بحر ہستی حاصلی جوئی اگر
سینہ را صد پارہ گرداں تا دُر یکدانہ شو

در سلامت عاشقاں[4] را عشق نہ نماید جمال
با ملامت ساز وانگہ رند ہر میخانہ شو

در سماعی کاں پسر خود مطرب و خود دف بود
با نوای عشق تن تن تن، تن و تنانہ شو

درخم با ثیکہ مستاں جام وحدت می کشند
چوں حسین از بادۂ ہر دردرا پیمانہ شو

۱؎ عاشقی ۔ نسخہ منیر
۲؎ پای را ہم فرق خود نہ ۔ نسخہ ف
۳؎ س ای صدف گر ز بحر ہستی حاصلی جوئی اگر
سینہ را صد پارہ گرداں گوہر یکدانہ شو نسخہ م
۴؎ عاقلاں را ۔ نسخہ م

(۳۲)

مفلسانیم آمده در کوی تو
پیش چوگان گشته همچوں گوی تو

اشقاں را در صلواة خمس نیست
کعبۂ محراب جز ابروی تو

شیوه های دلربای مر تراست
حسن خوباں پرتوی از روی تو

حلقہائے زلف بند خانہ شد[1]
صوفیاں را در خم ہر موی تو

گر نبودی خال بر رخسار تو
راه عاشق گم نگشتی سوی تو

---

[1] بند یخانہ ۔ نسخہ م و ف

(۳۳)

چون قامت[1] تو سروی کس در چمن ندیده
از رونق[2] جمالت گل جامه ها دریده

چشمت بجادوییها از بابل زنخدان
افسون دلبری ها در گوش جان دمیده

آیات لایزالی از مصحف جمالش[3]
خط های بت پرستی بر صوفیان کشیده

در سجده جمالش[4] از قدسیان اعلی
هوش از جبین پریده سر در زمین رسیده

گرچه بستان هجران خورده حسین لیکن
در کربلای غمها دامن ز تو نه چیده

---

۱ قامتی. نسخه م و ف ۲ با گلشن جمالت. نسخه م
۳ جمالت. نسخه م ۴ لفظ جمالش در نسخه منبر نیست

(۳۴)

ای کہ بقبضۂ ملک و دیں بر ہمہ انبیا شہی
خلق دو کون مر ترا حلقہ بگوش چوں رہی

از نفس مقدساں وز ملاء مقرباں
نطق فصیح تو سند خط قبول الٰہی

بی تو ندید جاں نگر نقل علوم را دغل
بی تو نیافت دل نگر کیسۂ عقل را تہی

پیش جمال تو جہاں راہ عدم فرا گرفت
دیدۂ عقل فلسفی راہ نہد بہ آگہی

سکۂ طاعت خدا مہر شدہ بنام تو
قلب مرا رواج دہ چوں کہ بمقام اللّٰہی

ای بنظر کمال تو، ہیچ کرم لنگا ہرار
گر بنگرد حسن خود چشم بسوی ما نہی[5]

فخر کنم بر آسماں گر بنوازی یکزماں
کی[6] چو حسین در جہاں خاک سگان درگہی

---

[1] بضبط۔ نسخہ م [2] فراکشد۔ نسخہ م
[3] روئے نہد۔ نسخہ م [4] چونکہ مقام۔ "
[5] کنی۔ نسخہ ف (غلط) [6] ای تو۔ نسخہ م

(۳۵)

ای آنکه بجسن آفتابی
تا چند ز بنده روی تابی

کی "یعرفنی" رقیب گوید
ماشیت ان هو کم ما بی

دریاب دمی کہ در تن من
جان بی تو ہمیکند شتابی

من بی تو شبی پلک نبستم
ای نور بصر تو در چہ خوابی

احوال حسین را چہ پرسی
یا صبّاح[1] تراہ فی کتابی

---

[1] اصباح ۔ نسخہ م

(۳۶)

شبی بگوش من آمد ندای ارغونی
که در خرابهٔ شهوت بغیر ما چونی

ترا وطن که به بیدا[1] است نامرادی نام
براه حب وطن شو که مرد مامونی

اگرچه باز[2] مرا طعمه جان عشاق است
ترا است ساعد شاهی که بخت همیونی

بدار ملک[3] نقش گر وطن همی سازی
زنند سکه بنامت که گنج مخزونی

---

[1] وطن همه بیداست. نسخه ف [2] همای عشق مرا. نسخه م
[3] اگر بدار ملک وطن خود. نسخه م

بجان تو که من از شوق تو قوی زارم
ز شوق من بتو شوقی ز قرب من[1] چونی

خودی چو حیض زنانست برگزر ز خودی
بقرب عین فزاوی الذین رجعونی

زراه باب در آیند در سرای شهان
نه دزد وار بجویند راه حصرونی[2]

چو بارگاه خدا را کشاد[3] تا در تست
نه حال امر درونی نه قال غیرونی[4]

اگرچه دشمن خویشی درای بسم الله
وصال دوست نیابند بی جگر خونی

---

[1] قرب معنونی - نسخہ م [2] مضلونی - نسخہ م
[3] کشادہ دربار تست - نسخہ م
[4] زحال امردونی نہ قال نہی بدونی - نسخہ م

روان سالک ایں رہ چو نعل مرکب تست
دلش ندید خدا را بقطع مادونی

کشاد چشم خدا بیں[1] جمال یار شناخت
کہ می نمود دگرہا زراہ حس دونی

شنای بحر روانم ازاں تمنا کرد
رسیدہ بود بگوشم کہ دُرّ مکنونی

کنوں کہ جود وجودت مگر کہ دریا ہم
کہ مست گشت درونم زموج افیونی

حجاب نیست خدا را بچشم بینا یاں
کہ ہست حدو نہایت بظاہر و سطونی (کذا)

---

[1] فدای جمال یار - نسخہ م

جمال احمد مرسل بوجه احمد منیر
کسی که دید عیانی بفوق کل عیون

ظهور جلوه قدسش بهر طرف که نمود[1]
دلم بسجده در آمد ز فرط مجنونی[2]

بخاک روضه[3] قدس از بهار خلد برین
همیشه باد بعصمت ز حال محزون

---

[1] نماند ـ نسخه م
[2] ز فرط شوق ـ ج
[3] قیامت ـ ج

(۳۷)

لولا سهول جمالكم في ذاتي
ما كنت ارضى ساعة بحياتي

واذا المحب ليعمرت اوقاته
بالوصل لم يحتج الى ميقاتي

مهما عرفت بجمعنا في موطن
فانقلت في جمع و في عرفات

يا طالب الحسنات في شرع الهوى
حفظ المودة احسن الحسنات

فردیات

○

نرگس[1] پر خمار تو عزم شراب میکند
صد چو حسین ہر طرف سینہ کباب میکند

○

سالہا[2] شد کہ بجاں تیر بلا می جاری
ایں چہ جوراست کہ بر بندہ روا می داری

○

---

[1] و [2] در نسخہ منیر نیست

قطعات

○

ایں ہمہ شرح صفات رخ میموں کسی است
کہ ز انوار تجلی یزداں می آید
شرف الحق کہ بر در گہ او ہمچو حسین
بہ تہہ پای سگاں ہمچو سگاں[1] می ساید

○

خوباں ہمہ خیر و خوب خواہند
عجب اند و ازاں عجوب خواہند
اول چو زباں دہند زاں پس
از دل شدگاں قلوب خواہند

---

[1] ہم چو سگاں۔ نسخہ م

○

زجام لعل تو بوی خلل در قدسیاں آرد
زمسجد ہو کشاں سوی خرابات مغاں آرد
خراباتی کہ جز ساقی دراں حلقہ نمی گنجد
دو چشم مست آں ساقی خرابی خانماں آرد

○

عاشق روی توام حسن جہاںرا چہ کنم
خستہ درکوی توام امن واماں را چہ کنم
خلق گویند مکاں گیر حُسینا در دہر
لامکاں جای مرا کون ومکاں را چہ کنم

○

ساقی غیب از لامکاں سرمست بی شان وگماں
با جام صہبا ناگہاں طرار و چالاک آمدہ
تا دیدہ ام در حیرتم واللہ نباشد ایں بشر
من می شناسم یارہا گر شوخ و بیباک آمدہ

رباعیات

○

فتنہ چشم تو کہ اندر مکین است
راہ زن گوشہ نشیناں دین است
گل کہ سر سبزہ دمد طرفہ نیست
سبزہ کہ از گل بدمد طرفہ این است

○

ما گرچہ ز پندار دوئی در مرضیم
تا نزد کساں آمدہ بی غرضیم
لیکن چو دل آرام بجاں جوہر ماست
ایں جوہر جاں را ہمگی ما غرضیم

○

در بحر وجود گر بجوئی گہری
در قعر وجود گر ترا شد گذری
در گوش کن ایں نصیحت من ایدوست[1]
جز سوی دل خویش نیابی خبری

---

[1] ای دوست۔ در نسخہ میز نیست

○

منکه در ملک وحدت بادشاهی میکنم
بادشاهی چه ولیکن من خدای میکنم
گر خدا خواہی مرا دامن بگیر
من خدا را رہنما ہستم خدائی میکنم

○

مثنویات

مثنویات

مقتدای دین پیرم منیری | این سخن را ما بگفت از سهوری
ای برادر گر بخواهی اصل کار | این سخن را در دل خود پاس دار
این ریاضت نیست کین رنجی بری | کم بگوی کم . بخسپی کم خوری
بچکان و طفل و هم بیوه زنان | این ریاضت میکنند از آب و نان
هرچه وصلت[1] می دهد قربت دهد | وز خیال غیر حق فرقت دهد
این ریاضت باشد ای عالی مقام | گوش کن تفسیر آنرا زین[2] کلام
پاسبان دل بشو اندر کل حال | تا نیابد هیچ دزد آنجا مجال
هر خیال غیر حق را دزد خوان | این ریاضت سالکان را فرض دان
از هوا و[3] حرص دل را قطع کن | با چنین ره اتباع شرع کن

هر که این ره می رود دل شاد باش[4]
وین نعم از بهر او آماده باش

---

[1] هر چه آن خصلت ۔ نسخہ منیر [2] در کلام ۔ نسخہ منیر
[3] هوای و حرص ۔ ” [4] باد ۔ ”

○

قلندر کی بباید در عبادت قلندر کی بگنجد در اشارت

قلندر نیست گشته در خدای نه آنجا بندگی داں نی خدای

قلندر چیست یعنی حق بماندہ گذشت از سر وجہ اللہ خواندہ

قلندر چیست یعنی محو گشتن پس انگه در مقام صحو رستن

قلندر لقمۂ لاہوت آمد قلندر قصۂ ناسوت آمد

قلندر جان جان عالم آمد قلندر در لباس آدم آمد

قلندر بحر تجرید است و تفرید قلندر رازدار سر توحید

قلندر در زبانہا ہست گویا قلندر مردم دیدہ است بینا

قلندر ہر کجا گوی ہمانجاست قلندر ہر کجا جوی ہمانجاست

قلندر رازدار ما و ہو ہست قلندر سرفراز چار سو ہست

قلندر تابشی زد در دل ما قلندر آتشی زد در دل ما

قلندر را کجا باشد نہایت قلندر را چو عالم نیست غایت

قلندر سوخت دفترہای ما را
قلندر خاک زد سرہای ما را

---

۱ درنسخہ منیر نیست

هر آں[1] عزمی که مارا بود در دل — خدا آورد بیروں پای از گل

چه با توفیق کو در کار ما کرد — بسی افعال خذلاں بسته واکرد

ز بیکس واماندگاں داده فراغی — منور کرد ایشاں را چراغی

ز استغنا که مارا داد ایں دم — خدا را شکرها باداد مادم

چو خس بودیم ما افتاده بر خاک — بر آورد از کرم بر سقفِ افلاک

اگر در خور ما دادی جزای — دمار از ما بر آوردی بلای

ولیکن از کرم بنواخت مارا — ز نعمت سفرها پرداخت مارا

چو ما از نقش بر دیوار آمد — هر آنچه از وی بود بر کار آمد

بود اکنوں که مارا جای آمد — بمقصد دستگه یارائی آمد

ازاں بس جمع نکند غصهٔ ما — نه دور است ایں کرم از فرقهٔ ما

که لطفش دایما بود است با ما — که رحمت دایما کرده است با ما

ضعیفانان و مسکینان درگاه — بجز عونت نمی خواهند ملجا

---

[1] در نسخه منیر نیست

چناں بر دند مارا اندر آفاق | که در افتد بدست شاه میلاق
بسی محمود گرداں حال مارا | فرو مگذار ضایع قال مارا
ز نعمت خوان تو دلشاد داریم | بریں گونه ز تو امید داریم
تا که یکروی با تو جمع باشم | بکرم الله دایم ورع باشم

بلا احصٰی ثنا و حمد گویم
اگرچه ناید از ما عمد گویم

حلیہ معظمہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

حمد گو مر پاک را حلیہ بخواں سید زماں
کز تو باشد دور دوزخ مر ترا باشد اماں

رنگ گندم گوں سفید آں صاحب لولاک بود
بادشاہ ہر دو عالم مرسل مر پاک بود

بود پیشانی کشادہ سید خیر الوریٰ
روز محشر بیکسانرا پیشوای و رہنما

ابرواں پیوستہ خط باریک آں روشن ضمیر
مومناں را رہبر و درماندگاں را دستگیر

چشم آں نور خدا بود و سیاہ و سرمگیں
در قیامت امتاں دیدار یابند بہتریں

بود بینی لبس بلند آں صاحب بدر الدجیٰ
مومناں و مسلماں را در قیامت پیشوا

لہ در نسخہ منیر نیست

از تن پاکش شمیدہ ہر کسے بوئے گلاب
بود چوں مشک ختن بوئے دہان آنجناب
بود دندانہا کشادہ سید خیر البشر
در حشر گردد شفیع امتان بی خبر
ریش بودہ گرد پیغمبر ولیکن سرخ رنگ
کلمہ گویاں را نباشد سوئے جنت راہ تنگ
قد رسول اللہ میانہ بود نہ کوتہ دراز
از حساب عرصات بخشد امتاں را کارساز
قطب اختر بر جبینش بود روشن ہمچو لعل
مہر انور بود بر پشت آں بدر کمال
در بقامت دست پیغمبر بزانو میرسید
پلۂ میزاں بدیدا کم کند نیکی مزید
ہم سر انگشتاں مبارک مصطفی باریک بود
امتاں بر پلصراط بگذرند چوں برق زود
در بدن موئے نبودہ تن خجستہ بود صاف
بود خطی چوں الف از سینہ تا حد ناف
تن مبارک بود نکیس صاحب ارض وسما
اے مسلماناں بخواں حلیہ محمد مصطفیٰ

گہ بخواند حلیہ را ہرگز نباشد دوزخی
این جمال حرف عربی بود کہ دم فارسی
عرض کن بلخی حسین پیش پیغامبر خدا
بر گناہم شو پناہم بر خطایم کن عطا

دیوان پر نقد و تبصرہ

فارسی ادب و شعر میں صنف غزل شروع سے ہی ایک مقبول صنف شاعری رہی ہے۔ غزل کے جلوہ صد رنگ سے متاثر ہوکر اس کے دامن میں ہر مشرب کے شاعروں نے پناہ لی ہے۔ فلسفہ و تصوف کے خشک و دقیق مسائل سے لے کر رندی و سرمستی کے دلپذیر بیانات تک غزل کے قالب میں ملتے ہیں۔ غزل ادب و شعر کی ایسی گنگا جمنی رہی ہے جہاں خارجی عوامل سے لے کر داخلی کوائف تک، عشق حقیقی سے عشق مجازی تک اور مادہ و روح کے اسرار و رموز تک کے بیانات نے نظروں کو خیرہ کیا ہے۔

فارسی ادب میں صوفیانہ شاعری کا بھی ایک منفرد مقام رہا ہے۔ صوفیوں نے اگر ایک طرف تصوف و عرفان کی شمع روشن کی تو دوسری طرف انہوں نے ادب و شعر کی زلف کو بھی شانہ کیا۔ صوفیا ربیک وقت ایک عالم دین، محدث و مفکر رہے اور ظاہری و باطنی دونوں علموں سے سرشار رہے ہیں۔ خانقاہ کے

گوشوں میں بیٹھ کر وہ نہ صرف وعظ و پند میں مشغول رہتے بلکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی چلتا رہتا۔ ان کے رشحات فکر کبھی شعر کے قالب میں کبھی نثر میں، کبھی ملفوظ میں، کبھی مکتوب میں جلوہ گر ہوتے۔ رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہمیشہ ابلتا رہتا اور اس سے تشنگان شریعت و طریقت اپنی پیاس بجھاتے رہتے۔ گویا ان کی خانقاہیں ایسی درس گاہیں تھیں جہاں کا ہر حلقہ بگوش انسان کامل بننے کی سعی میں مشغول رہتا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے قبل ہی صوفیوں کا سلسلہ اس سرزمین کے طول و عرض میں ملتا ہے جو وحدانیت و حقانیت کی شمع لے کر خدا کی اس عظیم بستی میں نکل پڑے تھے۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں سے قطع نظر صوبہ بہار بہت قبل سے تصوف و عرفان کا گہوارہ رہا ہے۔ گویا یہ وہ زرخیز و مردم خیز خطہ رہا ہے جہاں جین دھرم کے بانی مہابیر پیدا ہوئے اور جہاں گوتم بدھ کو نروان ہوا۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سرزمین میں یہ خاصیت ہے کہ فلسفہ و حکمت، تصوف و عرفان اور رشد و ہدایت کے گل بوٹے کھلا سکے۔

دیگر مذاہب کی طرح حلقہ بگوشان اسلام کا بھی ایک طویل سلسلہ بہار میں ملتا ہے۔ صوفیاء و اکابرین دعوت حق لیکر اس صوبے کے چپے چپے میں پھیل گئے تھے۔ امراء و سلاطین نے اگر لوگوں

کے جسم پر حکومت کی ہے تو صوفیا نے ان کے دلوں کو مسخر کر کے اس پر حکمرانی کی ہے۔ فاتح دونوں ہیں، ایک جسم کے دوسرے روح کے اور اگر روح کو جسم پر فوقیت حاصل ہے تو اس اعتبار سے سچی اور پائیدار حکومت صوفیائے کرام نے ہی کی۔

بہار میں بلخی خاندان کی آمد سے قبل ہی تصوف کی شمع روشن ہو کر اپنی تابناکی سے لوگوں کو مسخر کر چکی تھی۔ حضرت امام تاج فقیہہ جو شرف الدین بہاری کے مورث اعلیٰ تھے، انہوں نے منیر اور نواح پٹنہ کو اپنے روحانی فیض سے سیراب کیا اور اسی خانوادے کے ایک روشن ضمیر پیشوا حضرت مخدوم شرف الدین بہاری تھے۔ حضرت مخدوم الملک جیسا کامل بزرگ، صاحب وجد و حال اور صاحب قلم یہاں جلوہ افروز تھا جن کے عقیدت مندوں کا سلسلہ ہند و بیرون ہند تک ملتا ہے۔ بلخی خانوادہ انہیں کی روشنی سے جلا پا کر چمکتا اور دمکتا رہا اور ایک عرصہ تک اس صوبے اور ملک میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔

ان تمام صوفیائے کرام کے یہاں جو بات سب سے زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ بیک وقت وہ ایک عالم دین بھی تھے، محدث و مفکر بھی، اور جن کا تبحر علمی اس پایہ کا تھا کہ تمام بزرگوں کی تصانیف و تالیفات نثر اور نظم میں مختلف موضوعات پر ملتی ہیں۔ یہ بزرگان دین علم اور عمل ہر دو اعتبار سے کامل تھے۔ ان کی خانقاہیں علم

و ادب کا بھی گہوارہ تھیں۔ آج کی خانقاہوں سے مختلف وہاں شریعت و طریقت کے دقیق مسائل سے لے کر علم و ادب اور فلسفہ و حکمت تک باتیں ہوتی تھیں۔ آج کی خانقاہیں تو ان گرانقدر ادبی و علمی سرمایوں کی حفاظت تک نہیں کر سکیں جن کو ان کے پیش روؤں نے چھوڑا تھا۔ آج تعلیمات اسلامی کو ایک کونے میں بند کر کے گوشہ نشینی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ نہ درس و تدریس کا وہ سلسلہ ہے اور نہ تصنیف و تالیف کا۔ جب علم ہی کا فقدان ہو تو عملی طور پر انسان کم مایہ اور بے مایہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی خانقاہیں اکثر و بیشتر تیر و نشتر کا نشانہ بن رہی ہیں۔ اقبال سے لے کر جوش تک سب نے خانقاہوں کی زبوں حالی کا رونا رویا ہے۔

بہار میں جو تصوف و عرفان کا سرمایہ موجود ہے وہ اپنی شان اور عظمت کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ دوسروں سے قطع نظر خود حضرت مخدوم الملک کو ان کے مقام اور ان کے کارناموں کے مطابق ہند و بیرون ہند میں اجاگر نہیں کیا جا سکا۔ بہار کا یہ بھی خاصہ رہا ہے کہ اس نے ہر دور میں اپنے نابغوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور دنیا کے سامنے اس کی شخصیت کا کم ہی پہلو اجاگر ہو پایا ہے۔

حضرت حسین نوشۂ توحید بلخی قدس سرہ بھی اپنے پیش روؤں کی طرح ایک بزرگ کامل کے علاوہ صاحب قرطاس و قلم

بھی رہے ہیں۔ آپ عربی و فارسی دونوں زبانوں پر دسترس رکھتے تھے اور دونوں زبانوں میں آپ کے نثری اور منظوم کارنامے ملتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ ان کا بھی ادبی سرمایہ بسیر حاصل دستیاب نہیں ہوتا۔ ان کی دیگر تصنیفات پر گذشتہ صفحات میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں پر آپ کے دیوان کی روشنی میں آگے بڑھنا ہے تاکہ آپ کی ذات والا تبار کا تعین ایک غزل گو کی حیثیت سے کیا جا سکے۔

بڑی تگ و دو اور تلاش کے بعد حضرت نوشۂ توحید کے دیوان کا صرف دو نسخہ دستیاب ہو سکا۔ ایک شاہ تقی حسن بلخی صاحب کی ملک ہے اور دوسرا کتب خانہ خانقاہ منیر کی زینت۔ گذشتہ صفحات میں میں نے ان دونوں نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر کے اور نسخوں کے اختلاف کو حاشیہ میں لکھ کر دیوان قلمبند کر دیا ہے۔ آپ کے دیوان میں کل ۷۳ غزلیں، ۲ فردیات، ۵ قطعات، ۴ رباعیات اور تین مثنویاں ہیں۔ اس کے علاوہ دیوان کے اخیر میں حضرت رسالت پناہ صلعم کا ایک حلیہ منظمہ بھی شامل ہے۔

آپ کے دیوان کے بالاستیعاب مطالعہ سے جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں وہ اجمالاً وہی ہیں جو کسی اور صوفی شاعر کے کلام میں ہونا چاہئے۔ آپ کی غزلوں میں عشق حقیقی کی جلوہ سامانی ہے اور تصوف و عرفان کے باریک مسائل کی نشان دہی اور کار فرمائی۔ غزلوں کا مجموعی تاثر عارفانہ اور سالکانہ ہے۔ "فلسفہ توحید" فقر و توکل،

رندی و سرمستی، بیہمبری، قلندری کے مضامین سے لے کر عاشقانہ اور خمریاتی شاعری تک کا لطف ہم آپ کے کلام میں حاصل کر سکتے ہیں لیکن اکثر کلام کا بنیادی طرہ امتیاز عشق حقیقی ہے اور سوز دروں کی دھیمی آنچ سے کیف و وجدان کے گوشے جلا پائے ہیں۔ گویا آپ کا کلام فیض ترجمان توحید کے دھاگے میں پروئی ہوئی ایک ایسی مالا ہے جس میں مختلف موضوعات کے تراشیدہ اور ناتراشیدہ ہیرے اس حسن و خوبی سے ٹانکے گئے ہیں کہ وحدت میں کثرت کا گمان ہوتا ہے۔

نمونہ کلام :۔ آپ کے اس مختصر دیوان کے علمی و فنی تجزیہ سے جو گوشے اجاگر ہوتے ہیں ان کی مجمل تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی غزلوں میں ایک طرف وہی سرشادی و سرمستی ہے، وہی والہانہ پن اور بے ساختہ پن ہے، وہی اثر آفرینی اور دلپذیری ہے جو خواجہ حافظ شیرازی کا طرۂ امتیاز ہے، دوسری طرف وہی سادگی و برجستگی، وہی سلاست و برجستگی اور وہی مینا کاری و پرکاری ہے جو شیخ سعدی کا شیوہ تھا۔ وہی والہانہ جذبات و احساسات اور پیر و مرشد سے شیفتگی کا اظہار ہے جو خسرو کا وطیرہ تھا غزلوں کے علاوہ آپ کے دیوان میں جو چند قطعات و رباعیات ہیں ان میں بھی آپ کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ تصوف، فلسفہ و حکمت، توحید، وحدت وجود وغیرہ جیسے اہم مسائل کے دلکش بیان پر آپکے قطعات

پر ابن یمین اور رباعیوں پر خیام کا گمان ہوتا ہے۔ آپ کے دیوان میں جو مختصر مثنویاں ہیں وہ آپ کی دیگر مثنویوں کی طرح بلیغ اور احادیث و تعلیمات قرآنی پر مبنی ہیں۔ تصوف و عرفان کا انوکھا انداز بیان ہمیں مثنوی معنوی، حدیقہ اور منطق الطیر کی یاد دلاتا ہے۔

گویا حضرت نوشہ توحید نے مختلف موضوعات اور مختلف اصناف پر خامہ فرسائی کی ہے مگر وحدت تاثر اور وحدت مضامین میں سرمو فرق نہیں آتا۔ اسلوب اور ہیئت کے اعتبار سے تبدیلی تو رونما ہوتی ہے مگر مواد یکساں رہتے ہیں اور یہی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آئیے اب ہم موضوع کے اعتبار سے نوشہ توحید کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیں۔

۱۔ وحدت وجود

وحدت وجود پر آپ کے دیوان میں اکثر و بیشتر اشعار ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

گر من از رخ بر کشایم پردہ تلبیس را
در نظر فرقی نماند آدم و ابلیس را

بظاہر یہ شعر بالکل سادہ اور صاف معلوم ہوتا ہے لیکن نظر غائر سے دیکھیے تو اس شعر میں افکار و معانی کا ایک دریا ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے گا۔ خدا قادر مطلق ہے اور اس کی جلوہ سامانی کائنات کی ہر شے میں ہے۔ آدم اور ابلیس دونوں خدا کی تخلیق ہیں۔ شاعر

اس امر کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ کائنات کی ہر شے میں اسی ذات واحد ہی کی جلوہ گری ہے اور یہ تو ہماری بصارت اور بصیرت پہ منحصر ہے کہ ہم کس شکل میں خدا کا پرتو دیکھیں۔ مسجد اور مندر شیخ و برہمن سب اسی کی قدرت کاملہ کی کارفرمائی ہے ؎

عارف ہم از اسلام خراب است وہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

یہ تو ہماری فہم و فراست اور ہماری عقل کا امتحان ہے کہ ہم صحیح روپ میں اپنے خالق حقیقی کو پہچان لیں ؎

امتحانِ نگہ شیخ و برہمن کے لئے
آپ ہی کعبہ بنے آپ ہی بتخانہ بنے

ان اشعار کو دیکھئے ؎

غرقہ بحر بیکران مائیم — گاہ موجیم و گاہ دریائیم
چوں دوئی نیست درمیانہ ما — ما ہمہ او و او ہمہ مائیم

حافظ نے بھی اس خیال کو اس طرح پیش کیا ہے ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

ان اشعار میں وہی " ہمہ اوست " کا راز پوشیدہ ہے۔ پردہ دوئی کو اگر درمیان سے ہٹا دیا جائے تو خالق و مخلوق، عابد معبود اور ساجد و مسجود میں مشترک قدریں جلوہ گر نظر آئیں گی۔

ان اشعار میں سادہ اور پرکار الفاظ کا انتخاب ہے۔ لفظوں کی تکرار اور ہیر پھیر سے ایک موسیقی پیدا ہوتی ہے۔ انداز بیان سادہ ہے لیکن سادگی کا تمام حسن جلوہ گر ہے

۲۔ توحید

حضرت حسین نوشہ توحید کا خاص موضوع توحید رہا ہے اور اسی مناسبت سے آپ کا لقب بھی توحید پڑا۔ عالم روحانی میں توحید کا مقام اس ستون کی طرح ہے جس پر تمام عمارت کی بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ دیکھیے کہتے ہیں ؎

از برای علت معلولیاں در راہ فقر
شربت توحید از دار الشفا آوردہ ام
زیں تجلی بحر وحدت موج تمکیں میزند
دُر و گوہر زیں تجلی دایما آوردہ ام

عشق حقیقی میں سرمست اور راہ حق میں فنا ہو جانے کا نام ہی اصل زندگی ہے اور ان منازل کو طے کرنے میں فقر زاد راہ کا کام کرتا ہے۔ اور اگر توحید کی شاہراہ پر گامزن قافلے کو علت نے گھیر لیا ہو تو ایسی حالت میں توحید کے شربت کا ایک قطرہ ہی تمام علتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ توحید در اصل ایک نہایت ہی دشوار گذار اور پرخار راستہ ہے جہاں ہر قدم پہ لغزشوں کا امکان رہتا ہے۔ خدا کی ذات واحد پہ یقین کامل اور غیر اللہ سے روگردانی ہی تو توحید کا نام ہے۔ اس خالق کل کے جلووں کو مختلف شکل میں

رونما دیکھتے ہوئے بھی کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی توحید ہے۔ نوشہ توحید سراپا توحید کے علمبردار ہیں اور ان کی زندگی ان کی تعلیمات، ان کی تصنیفات و تالیفات، ان کی حرکات و سکنات ہمہ تن اسی توحید پر کاربند ہیں۔

۳۔ وحدت وکثرت وحدت و کثرت کا فلسفہ بھی وہی "ہمہ اوست" اور "ہمہ از اوست" کی صدائے بازگشت ہے۔ دیکھئے فرماتے ہیں ؎

اگرچہ صورتِ اشیا تعدد است ولیک

ہمہ حقیقت اشیا شمول وحدت اوست

خدائے بزرگ و برتر کی جلوہ گری کائنات کے ہر ذرے میں ہے۔ چیزوں کی شکل میں بظاہر فرق نمایاں ہوتا ہے مگر اس کی ذات واحد کا نور ہر شکل میں جاری و ساری ہوتا ہے۔ یہ تو ہماری کور بینی ہے کہ ہم اس کے جلووں کی تاب نہیں لا پائے۔ ورنہ اس کا فیض تو عام ہے اور اس سے فیضیابی ہمارے ظرف پر منحصر کرتی ہے۔

۴۔ فقر راہ سلوک کا ایک اہم موضوع فقر رہا ہے۔ شان فقر پر اکثر و بیشتر صوفیا رطب اللسان رہے ہیں درا صل فقر تصوف کی ایک ایسی کڑی ہے جو خدا اور بندے کو مضبوط رشتوں میں استوار رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

فقر یکرنگست کانجا مردوئی را راہ نیست
ایں حدیث از صوفیانِ باصفا آوردہ ام

کتنا سادہ اور پرکار انداز بیان ہے۔ راہ فقر میں دوئی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فقر کی یکرنگی اور یکسانیت ہر آن قائم رہتی ہے جس طرح اصل ایمان کے لئے وفاداری بہ شرط استواری لازم ہے اسی طرح راہ سلوک میں فقر کا توشہ کام آتا ہے۔ دیکھئے پھر کہتے ہیں ؎

دیدہ از فقر باید تا خدا بینی کند
خاک فقر از بہر ایں کحل عمیٰ آوردہ ام

کس انداز سے خدا بینی کا کامیاب نسخہ مرتب فرماتے ہیں اور فقر کی خاک سے تیار شدہ سرمے کے استعمال سے بصارت اور بصیرت کے امکانات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ فقر کے ذریعہ انسان خدا کو پہچان سکتا ہے۔ فقر کی شان میں یوں گویا ہوتے ہیں ؎

فقر چیست از وجہ در ذات آمدن حق بیں شدن
شرح ایں اسرار معنی باصفا آوردہ ام

مادہ سے روح تک اور صفات سے ذات تک کے کامیاب سفر کے بعد انسان حق بینی کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سفر کی صعوبت کو برداشت کر لینے اور اپنی ذات کو ذاتِ حق میں ضم کر دینے اور فنا فی اللہ ہونے میں سب سے بڑا ہاتھ فقر کا ہے۔ اس لئے فقر کے دامن

کو چھوڑ کر راہ سلوک کے دشوار گذار مراحل کو طے نہیں کیا جا سکتا۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت نوشہ توحید فارسی کے علاوہ عربی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ اس دیوان میں عربی میں بھی ایک غزل ہے۔ اس غزل کے علاوہ بھی فارسی غزلوں میں جا بجا عربی تراکیب اور فقرے کا استعمال اس حسن وخوبی کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے ان کے کمال کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے اور مفہوم میں بجائے مغائرت حسن وخوبی پیدا ہوتی ہے۔ دیکھئے ؎

از ازل ایں رنگ رویم تا ابد تبدیل نیست
در بیان صبغۃ اللہ ایں گوا آوردہ ام

(۵) صبغۃ اللہ کے ٹکڑے کے استعمال سے سلاست و روانی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اور معنی آفرینی میں اضافہ ہو گیا۔ زبان وبیان پر کمال دسترس کی غمازی اس شعر میں بھی ملاحظہ کیجئے ؎

شاہ لولاک از تمامی فقر جامی خوردہ گفت
نقل فہو اللہ بہر ہر گدا آوردہ ام

(۶) لولاک اور فہو اللہ کا برجستہ اور برمحل استعمال آپ کے تبحر علمی کی نشاندہی کرتا ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے بھی شعر اپنی ذاتی عظمت اور انفرادیت کا حامل ہے۔ ایک جگہ یوں گویا ہیں ؎

(۷) از طفیل قطب عالم شیخ برہان الہدیٰ
کحل مازاغ البصر از مصطفےٰ آوردہ ام

اس شعر میں بھی مازاغ البصر کا ٹکڑا جان پیدا کرتا ہے اور شاعر کا مدعا قطعی طور پر مبہم اور گنجلک نہیں ہو پاتا ہے۔ ان عربی تراکیب کا استعمال اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ حضرت نوشہ توحید عربی صرف ونحو اور عربی زبان وادب پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کا عربی کلام بھی اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ انسان اس روئے زمین پر خدا کا خلیفہ بنا کر بھیجا گیا۔ خدا نے خود اس کو اشرف مخلوقات کہا ہے۔ انسان کی عظمت اور اس کے مقام کا تعین اس کے اپنے افعال و اعمال سے کیا جاتا ہے۔

(۸) انسان کے اندر خدائے بزرگ وبرتر نے وہ خوبیاں پیدا کی ہیں جن سے صحیح کام لے کر انسان کائنات کو مسخر کر سکتا ہے اور اپنا تابع و فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ حضرت حسین نوشہ توحید بھی عظمت انسانی کے قائل ہیں اور اپنے مخصوص انداز بیان میں وہ یوں گویا ہیں ؎

ما سرِّ جمال کبریائیم — در ملک وجود پادشاہیم
خورشید رود بہ برج خلوت — گر طلعت خود بدو نمائیم

غور کیجیے کس سادگی ہے لیکن کس بلند آہنگی سے آپ انسان کی عظمت کا اعلان کرتے ہیں۔ دراصل انسان خدا کا پرتو ہے اور اس سرزمین

اور عالم وجود پر اس ذات واحد کا نمائندہ۔ اگر انسان اپنی تمام تر توصیفات حمیدہ اور اوصافِ حسنہ کو مجتمع کرلے تو اس کے رُخِ روشن کی تاب خورشید کبھی نہیں لاسکتا۔ یہ ہے آدمی کا مرتبہ۔

(۹) اگر ایک طرف نوشہ توحید انسانی عظمت کے طرف دار ہیں تو دوسری طرف آپ نے پیرو مرشد کی عظمت اور بزرگی کا اعلان کیا ہے۔ اپنے پیر و مرشد کی شان میں یوں تو آپ اکثر والہانہ اظہار خیال فرماتے ہیں لیکن اپنی ایک غزل میں اس امر کا اعتراف یوں کرتے ہیں ؎

یعلم اللہ بہ طفیل شرف الحق امروز
خیمہ بر طارم گردونِ معلیٰ زدہ ام

صرف اس شعر سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام تر خوبیوں اور اپنی عظمت و بزرگی کا راز اپنے پیر و مرشد کے طفیل پایا ؏ بہ طفیل آں نگہ کرم یہ شعور و فکر ہے پختہ تر

آپ جس کامل انسان کے دست گرفتہ اور تربیت یافتہ تھے اسی کے طفیل آپ سلوک کے منازل طے کرتے ہوئے اوجِ کمال پر پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

(۱۰) تصوف کی دنیا میں ایک مقام قلندری کا بھی آتا ہے جہاں دنیا کے لوازم سے بے نیاز ہوکر راہِ سلوک کا مسافر بادۂ عرفاں سے سرمست و سرشار رہتا ہے اور دنیاوی مال و

اسباب سے بے خبر و بیزار۔ قلندر بظاہر کچھ بھی ہو اس کی ہر ادا خدا کو بھاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی ہر سانس میں خدا کی رضا کو بسائے ہوئے ہوتا ہے۔ اقبال نے قلندر کی تعریف کتنی خوبی سے بیان کیا ہے ؎

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

حضرت حسین نوشہ توحید ایک مثنوی میں قلندر کی زندگی کے مختلف گوشوں کو نہایت ہی موثر اور دلپذیر انداز سے اجاگر کرتے ہیں۔ اس مختصر مثنوی میں تسلسل مضامین نے مثنوی کے حسن اور سلاست و روانی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مصرعوں کی موزونیت اور الفاظ و تراکیب کے در و بست سے ایک خاص فضا پیدا ہوتی ہے لفظ قلندر کی تکرار سے ایک خاص حسن اور کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پوری مثنوی ایک محور کے گرد چکر کاٹتی ہوئی اپنے موضوع پر پوری طرح منعکس ہو جاتی ہے اور یہی فنکارانہ کمال اور الفاظ کے ذریعہ میناکاری تو نوشہ توحید کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ بھی مثنوی کا حسن ملاحظہ کیجئے ؎

قلندر کی بباید در عبادت — قلندر کی بگنجد در اشارت
قلندر چیست یعنی حق بماندہ — گذشت از سر چہ اللہ خواندہ الخ

(۱۱) تصوف کی راہ میں بادۂ عرفان کی مستی و سرشاری بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یہ ایسا نشہ ہوتا ہے جہاں انسان اپنے

وجود کو اس ذات واحد میں مدغم کر دیتا ہے اور ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

والی بات ہو جاتی ہے۔ عشق کے کمال کا یہی روپ تو خدا کو بھاتا ہے جہاں بندہ اپنے خالق کے لیئے اپنی ذات کو اس ذات میں مدغم کر دیتا ہے۔ حضرت نوشہ توحید کے کلام میں اکثر و بیشتر ایسے اشعار ہیں جہاں شاعر نے مست ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو ؎

باز بر در طرب آغاز شد   باز بلبل با چمن ہمراز شد
باز گلہا از چمن پیغام داد   باز شوق دلبراں آغاز شد

ان اشعار میں کس سادگی اور پرکاری سے جوش و مستی کا اظہار کیا ہے۔ پوری غزل سے ایک فضا قائم ہوتی ہے اور وحدت مستی کے ساتھ وحدت تاثر بھی قائم رہتا ہے۔ اسی مضمون کے اور اشعار دیگر غزلوں میں دیکھیے۔ کہتے ہیں ؎

من جام درد خوارم اللیت لیت لیتم
با کس چہ کار دارم اللیت لیت لیتم
از جام عشق مستم از ما و من برستم
بیروں نیست و ہستم اللیت لیت لیتم الخ

نہایت طویل اور مرصع غزل ہے۔ پوری غزل میں مستی و سرشاری کی

یکساں کیفیت ہے جو روح پرور اور حیات افروز ہے۔ الفاظ اور تراکیب کا چست و درست استعمال ہے اور اس طرح پوری فضا پہ شراب معرفت کا نشہ طاری ہو جاتا ہے اور قاری کا سامعہ موج کوثر و تسنیم میں ڈوب جاتا ہے۔ اسی پہ بس نہیں۔ ان کے کلام کی یہ نغمائیت اور جگہ پہ بھی بہت ہی نمایاں ہے۔ دیکھیے ؎

من کہ در کنگرہ عشق تو لانزدہ ام
سکہ بر عین دو عالم بہ تجلی زدہ ام

حقائق و معرفت کے موضوع کو اس طمطراق اور زور بیان سے ادا کرنے کی مثال کم ملتی ہے۔ شاعر کے تخیل کی بلند پروازی، خیالات کی ندرت اور احساسات دروں کا اتنا موثر اور دلپذیر بیان اپنی مثال آپ رکھتا ہے۔

(۱۲) عشق و عاشقی تصوف کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ در اصل عشق ہی ایک ایسا جذبہ ہے جو اس کائنات کی وجہ تخلیق ہے۔ مادی اور روحانی دونوں دنیا کے عناصر کو ایک ضابطہ اور اصول کے تحت رکھنے کا سہرا اسی جذبہ عشق کے سر ہے ؎

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد حافظ

یہ جذبہ عشق خدا سب کو ودیعت نہیں کرتا بلکہ یہ اپنے خاص بندوں کے لئے محفوظ رکھتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس لئے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما (حافظ)

حضرت حسین نوشہ توحید کے کلام میں عشق حقیقی کی جلوہ گری اور اس کی کارفرمائی نہایت ہی نمایاں ہے۔ آپ کا کلام عشق حقیقی کی آنچ میں تپ کر نکھرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ کہیں سادہ اور کہیں پرکار انداز میں آپ اپنے جذبہ عشق کا بیان فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

ترسا بچۂ نگار سرمست
از ناوک غمزہ جان ما خست
از حلقۂ زلف کردہ زنار
بر بست میان و حلقہ بر بست الخ

پوری غزل عشق حقیقی کے لطیف احساس کی غمازی کرتی ہے نہایت ہی چست و درست الفاظ اور سادگی کے ساتھ کیفیات دروں کا اظہار کیا گیا ہے۔ عشق کے لوازم کو خوب صورتی سے برتا گیا ہے۔ اور یہی تو ان کی شاعری کا حسن ہے۔ مرتبۂ عشق کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

طاعاتِ عابداں و ریاضات زاہداں
در طور عشق بازی چوں کاہ کیمداست

عشق حقیقی میں ظاہر داری اور وضع داری کا کوئی مقام نہیں ہے یہ تو عاشق و معشوق کا ایسا معاملہ ہے جہاں درمیان میں کوئی پردہ حائل ہی نہیں ہو سکتا۔ عبادت دریاضت تو ظاہری اسباب ہیں اور عشق ان اسباب سے قطع نظر بہت ہی اعلیٰ و ارفع جذبہ ہے جس کا احساس عشق کرنے والے دلوں کو ہی ہوتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، آگے یوں فرماتے ہیں ؎

سالہا راہ وصال تو دلم می پیمود
تا کہ از مطلع جاں حسن جمال تو نمود

ایک عاشق کے لئے ہجر و وصال ہی تو سرمایہ حیات ہوتا ہے۔ محبوب کا وصل اس کی معراج ہے اور اس کا ہجر اس کے جذبوں کا خون آرزوئے وصل کو شاعروں کا دل سالہا سال جھولے جھلاتا ہے تب کہیں جاکر وصل کی منزل کا سراغ ملتا ہے۔ یہ سفر نہایت ہی صبر آزما اور دشوار گذار ہوتا ہے جس سے نبرد آزمائی ایک عاشق صادق ہی کر سکتا ہے۔

ایک سچا عاشق اپنے گرد و پیش اور اپنے آشنا و ناآشنا سب سے بیگانہ ہوتا ہے۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی شوق اور ایک ہی جذبہ ہوتا ہے اور وہ ہے اپنے دوست

کی قربت اور اس کے رخ روشن کا دیدار۔ کہتے ہیں ؎

از شوق روی دوست چو دیوانہ گشتہ ایم
از خویش و آشنا ہمہ بیگانہ گشتہ ایم

اور دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

عاشق روی تو ام حسن جہاں را چہ کنم
خستہ در کوی تو ام امن و اماں را چہ کنم

دیکھیے کس والہانہ پن سے اپنے معشوق حقیقی کے رخ زیبا کی قربت اور اس کی دید کے جذبہ کو شاعر بیان کرتا ہے۔ گویا حیات و کائنات سے بے خبر وہ صرف ایک ہی لگن میں مگن ہے۔

(۱۳) صوفیوں کے یہاں خودسپردگی اور بے نیازی کا رنگ غالب رہتا ہے۔ ان کی سرمستی و سرشاری کے پیچھے بادہ عرفان کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ یہ نشہ اتنا سخت اور تیز ہوتا ہے کہ وہ سارے عالم سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور یہیں سے فنا کی منزل شروع ہوتی ہے۔ شراب معرفت اور اس کی عظمت کا بیان اکثر و بیشتر صوفیا کے کلام میں ملتا ہے۔ مگر یہ بیان دنیاوی شراب سے پرے اس روح پرور شراب کا ہوتا ہے جس کا ہر قطرہ اپنے اندر تصوف و عرفان کا دریا سموئے ہوئے رکھتا ہے۔ صوفیا اپنے جام شراب میں شاہد ازل کی جلوہ گری دیکھتے ہیں اور سرمست رہتے ہیں اور اس عالم مستی و سرشاری

میں جو رشحات ہوتے ہیں ان کا رنگ دیکھیے۔ حافظ نے یوں کہا ہے ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
ای بی خبر ز لذت شرب مدام ما حافظ

نرگس پر خمار تو بزم شراب میکند
صد چو حسین ہر طرف سینہ کباب میکند

اور پھر کہتے ہیں ؎

خراباتی کہ خبر ساقی در آں حلقہ نمی گنجد
دو چشم مست آں ساقی خرابی خانماں آرد

شراب و ساقی کا کتنا پر لطف بیان ہے۔ شراب اور لوازمات شراب، ساقی اور چشم ساقی کی تعریف اور اس شراب معرفت کا نشہ مل کر حضرت حسین لوشہ توحید کے خمریاتی کلام کا ایک اہم جزو بن جاتا ہے اور اس سے بھی ان کی شاعرانہ عظمت کا سراغ ملتا ہے۔ خمریات کا اور رنگ دیکھیے ؎

ساقی شراب در دہ سوزیں صدای عودہ
رقصی بزن و برجہ اللیت لیت لیتم
خم را بیالہ گرداں سر من لوالہ گرداں
من لایزالہ گرداں اللیت لیت لیتم

ان اشعار سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے شراب و رقص اور مابعد بے خودی اور سرشاری کا کتنا پُر لطف بیان ہے جس کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔

شراب معرفت کی جلوہ گری اور اس سے پیدا شدہ بے خودی کا اور رخ بھی ملاحظہ کیجئے۔ کہتے ہیں ؎

ازاں جامی کہ از ساقی رواں در کار می بینم
برہمن بادہ ہر جانب سرو دستار می بینم
بدور چشم میگونش رواجی ہست تقویٰ را
قماش زہد را ہر سو دریں بازار می بینم

شراب اور پھر ساقی کے حسن کا ذکر اشعار کے معنوی لطف کو دوبالا کر دیتا ہے اور یہ شراب دو آتشہ بن کر ہر حساس دل کو چھو جاتی ہے اور اس کے نشہ میں مست ہو کر عارف باللہ سلوک کے منازل اور مدارج طے کرتا ہے۔

شراب معرفت کا ایک گھونٹ بھی سلوک کی کئی منزلوں کو طے کرا دیتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

یک جرعہ می چو از لب لعلش چشیدہ ایم
رند و شراب خوار بہ پیمانہ گشتہ ایم

اس شعر کی کیفیت وہی ہے جو صوفی کی شراب میں ہوتی ہے۔ ساقی ازل کے ذریعہ دی گئی شراب معرفت کا ایک گھونٹ ابدی نشہ بخش

دیتا ہے۔

آپ کا دیوان قوس قزح کے مانند ہے کہ مختلف رنگ اور موضوع کے اشعار اس میں جلوہ گر ہیں اور ان کا مجموعی حسن اور تاثر کیف وجدان اور شعور و ادراک کے نئے گوشوں کو اجاگر کرتا ہے۔ ہر رنگ اپنی جگہ چوکھا ہے اور ایک انفرادی شان و عظمت کا حامل۔ یہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں مختلف رنگوں کے پھول کچھ اس حسن و خوبی سے سجائے گئے ہیں کہ نظریں خیرہ اور دل و دماغ معطر ہو جاتے ہیں۔ آپ کے دیوان کے مختلف النوع مضامین میں جو قدر مشترک نظر آتی ہے وہ ہے متصوفانہ و عارفانہ انداز فکر کی ہمہ گیری۔ فن شاعری کی بنیادی قدریں پورے دیوان میں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ آپ کے کلام کی فکر انگیزی کے ساتھ ساتھ اس دیوان میں عمدہ تراکیب، حسین الفاظ، چست و درست اور بولتے ہوئے مصرعے۔ نادر تشبیہات و استعارے، موزوں الفاظ کا در و بست ہر جگہ نمایاں ہے۔ جس سے آپ کی فنکارانہ عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتابیات

کتابیات

شمارہ	اسمائے کتب	اسمائے مصنف و مرتب
۱	تاریخ سلسلہ فردوسیہ، مطبوعہ	معین الدین دردائی
۲	اخبار الاخیار، مطبوعہ	عبدالحق محدث دہلوی
۳	BIHAR THROUGH THE AGES	آر۔ آر۔ دیواکر
۴	مناقب الاصفیاء، مطبوعہ	مخدوم محمد شعیب
۵	تاریخ مگدھ، مطبوعہ	فصیح الدین بلخی
۶	تاریخ دعوت و عزیمت	مولوی ابوالحسن علی ندوی
۷	نزہت الخواطر، جلد سوئم مطبوعہ	
۸	BIHAR RESEARCH SOCIETY JOURNAL 1956	ARTICLES OF PROF HASAN ASKARI
۹	اشعار مظفر شمس بلخی، مطبوعہ	پروفیسر سید حسن
۱۰	مونس القلوب، قلمی	ملفوظات حضرت احمد لنگر دریا

شمارہ	اسمائے کتب	اسمائے مصنف و مرتب
۱۱	وسیلۂ شرف، مطبوعہ	صوفی منیری
۱۲	سیرت الشرف "	سید ضمیر الدین
۱۳	ماہنامہ "اشارہ" مطبوعہ، پٹنہ	بابت جنوری ۱۹۶۶ء
۱۴	"ساتھی" روزانہ "	سالنامہ ستمبر ۱۹۵۲ء
۱۵	کاشف اسرار، فارسی، مطبوعہ	
۱۶	طبقات ناصری "	منہاج الدین
۱۷	بزم مملوکیہ "	صباح الدین عبد الرحمٰن
۱۸	آثار شرف، فارسی "	نور الحسن
۱۹	معارف	بابت اپریل ۱۹۲۹ء
۲۰	کنز التواریخ، قلمی	شاہ یحییٰ عظیم آبادی
۲۱	تاریخ تصوف اسلام مطبوعہ ایران	عبد الغنی
۲۲	تصوف اسلام مطبوعہ	عبد الماجد دریابادی
۲۳	بزم صوفیہ "	صباح الدین عبد الرحمٰن
۲۴	معراج العاشقین "	
۲۵	ترجمہ آداب المریدین "	
۲۶	شرح آداب المریدین "	

شمارہ	اسمائے کتب	اسمائے مصنف و مرتب
۲۷	معارف، علی گڑھ، جلد ۱۳	ایڈیٹر محی الدین سلیم
۲۸	علی گڑھ میگزین	ستمبر ۱۹۰۴ء
۲۹	تاریخ مخطوطات، مطبوعہ	محی الدین قادری زور
۳۰	تاریخ صوبۂ بہار	سید اولاد حیدر بلگرامی
۳۱	نقش پائدار	علی محمد شاد عظیم آبادی
۳۲	کیمیائے سعادت	امام غزالی
۳۳	حضرات خمس، قلمی	نوشتہ توحید بلخی
۳۴	رسالہ قضا و قدر "	" "
۳۵	رسالہ توحید خاص "	" "
۳۶	توحید اخص الخواص "	" "
۳۷	رسالہ وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم	" "
۳۸	رسالہ در بیان ہشت چیز	" "
۳۹	اوراد دہ فصلی، قلمی	" "
۴۰	مجموعہ مکتوبات "	" "
۴۱	ملفوظ گنج لا یخفیٰ	" "

شمارہ	اسمائے کتب	اسمائے مصنف ومرتب
۴۲	مکتوبات صدی	مخدوم الملک رح
۴۳	مونس القلوب	حضرت احمد لنگر دریا

پس نوشت

اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۷۲ء میں پٹنہ یونیورسٹی میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے داخل کیا گیا تھا۔ گویا بیس سال سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد یہ تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس طویل مدت میں حضرت حسین نوشہ توحید بلخی سے متعلق مزید کچھ نہیں لکھا گیا۔ ہر چند کہ تحقیق کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے تاہم آج بھی بہت سے ادبی شہ پارے منظر عام پر نہیں آسکے ہیں۔

حضرت مخدوم الملک اور سلسلۂ فردوسیہ پر ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ اور پٹنہ یونیورسٹی میں کئی تحقیقی مقالے پیش کیے گئے اور مقالہ نگار کو پی ایچ۔ ڈی کی سند بھی عطا کی گئی۔ لیکن ایک بھی مقالہ کتابی صورت میں شائع نہیں کیا جا سکا۔ اس سلسلے میں راقم حروف نے ادارہ تحقیقات کے مختلف سربراہوں کو مختلف اوقات میں ان مقالوں

گی اشاعت کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی جو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکی۔ خوشی کی بات ہے کہ اتنے برسوں کے بعد فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی، اتر پردیش کی مالی امداد سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے پیش نظر ہے۔ ظاہر ہے اس مالی امداد کے بغیر اس کی اشاعت ہنوز ناممکن ہوتی۔

یہاں پر اس امر کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ بیس سال قبل کی یہ تحریر جوں کی توں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ عین ممکن ہے کہ زبان و بیان اور اظہار و ابلاغ میں قارئین کرام کو کچھ ناہمواریاں نظر آئیں۔ مقالے کی نظر ثانی کی جا سکتی تھی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پورا مقالہ من و عن چھاپ دیا گیا۔

اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرت نوشہ توحید کی مندرجہ تصانیف پر کام کر کے الگ الگ کتابوں کی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے:

(الف) مجموعہ مکتوبات

(ب) ملفوظ گنج لایخفیٰ

(ج) مثنوی افتخار حسینی

اس کتاب میں نوشہ توحید کے دیوان پر تو قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے لیکن ان کی درج بالا تصانیف پر تحقیقی مقالے کی ضخامت کے پیش نظر اختصار کے ساتھ ہی بحث کی گئی ہے۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ان کتابوں کا بھرپور تجزیہ ہو۔ دعا ہے کہ کوئی صاحب نظر

اس طرف اپنی توجہ مبذول کر سکے۔ ورنہ انشاء اللہ راقم حروف بھی اس قرض کو بھی ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں برادر بزرگ پروفیسر شاہد احمد یحییٰ، ڈاکٹر ارشد جمیل، ڈاکٹر ظفر سعید صاحبان نے ذاتی دلچسپی لی۔ ڈاکٹر ارشد جمیل نے پروف ریڈنگ میں نہایت عرق ریزی سے کام لیا۔ نیز شعبۂ اردو ال۔ این۔ متھلا یونیورسٹی کے ریسرچ ایسوسی ایٹ عزیزی ڈاکٹر امام اعظم اور ڈاکٹر عمران احمد، ریسرچ فیلو عزیزی عباس علی، محمد وسیم اور افروز عالم نے جو مختلف سہولتیں بہم پہنچائیں ان کے لئے میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں۔

(ڈاکٹر) شاکر خلیق

صدر شعبۂ اردو

للت نارائن متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ

مولف کی دیگر کتابیں

اعتراف جنوں

(غزلوں کا مجموعہ)

احتساب جنوں

(نظموں کا مجموعہ)

زیر طبع

مجموعۂ مضامین

(زیر ترتیب)

HUSAIN NAUSHA TAUHEED BALKHI

LIFE AND WORK

Dr. SHAKIR KHALEEQUE